بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ
بلکہ ہم حق کو باطل پر پھینک مارتے ہیں
تو وہ اسکا بھیجا نکال دیتا ہے تو جبھی وہ مٹ کر رہ جاتا
ہے۔ اور تمہاری خرابی ان باتوں سے جو بناتے ہو۔
کلمۂ حق
مصنفہ
فاضل شہیر حضرت مولانا عبدالحکیم خان اختر صاحب مجددی مظہری شاہجہانپوری مدظلہ العالی
شائع کردہ
ادارہ غوثیہ رضویہ مکان نمبر ۲۰ گلی نمبر ۲۲ بی
کرم پارک مصری شاہ لاہور ۳۹

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ

بلکہ ہم حق کو باطل پر پھینک مارتے ہیں تو وہ اسکا بھیجا نکال دیتا ہے تو جبھی وہ مٹ کر رہ جاتا ہے۔ اور تمہاری خرابی ان باتوں سے جو بناتے ہو۔

کلمۂ حق

مصنفہ

فاضل شہیر حضرۃ مولانا عبدالحکیم خان اختر صاحب مجددی مظہری شاہجہانپوری مدظلہ العالی

شائع کردہ

ادارہ غوثیہ رضویہ مکان نمبر ۲۰ گلی نمبر ۲۲ بی کرم پارک مصری شاہ لاہور ۳۹

نام کتاب : ---------- کلمۂ حق

مصنف : ---------- مولانا عبدالحکیم خان اختر صاحب مجددی مظہری شاہجہانپوری مدظلہ

پروف ریڈنگ : ---------- ماسٹر منور حسین صاحب اور محمد عبدالوہاب ناز صاحب

کتابت : ---------- جاوید

مطبع : ---------- لاہور

اشاعت بار اول : ---------- سنہ ۱۳۹۵ھ سنہ ۱۹۷۵ء

〃 دوم : ---------- سنہ ۱۴۰۷ھ سنہ ۱۹۸۷ء

ناشر : ---------- ادارہ غوثیہ رضویہ مکان نمبر ۲۰ گلی نمبر ۲۲ بی کرم پارک مصری شاہ لاہور ۳۹

یہ کتاب مندرجہ ذیل جگہوں سے ۵۰-۲ روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر مفت حاصل کریں۔

۱۔ ادارہ غوثیہ رضویہ مکان نمبر ۲۰ گلی نمبر ۲۲-بی کرم پارک مصری شاہ لاہور ۳۹

۲۔ الحاج پیر وزیر علی صاحب قادری نوری جامع مسجد نوری بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور۔

فہرست

حکیم اہلِ سنّت سے بیوفائی

حکیم اہل سنت جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ العالی، جنہیں شیخ العرب والعجم قطب مدینہ شاہ ضیاء الدین احمد قادری رضوی مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے "حکیم اہل سنت" کے خطاب سے سرفراز فرمایا تھا۔ حکیم صاحب موصوف نے "مرکزی مجلس رضا" کے نام سے ایک تبلیغی ادارہ قائم کیا جس کی اپنے خون جگر سے آبیاری کی اور اہل سنت کو انقلاب آفریں کتاب کا درس دیا اور ہر محاذ پر علمی ادبی دینی [illegible] کرنے والوں کی رہنمائی کی۔ چنانچہ آج اشاعت کتب کے سلسلے میں جو انقلاب نظر آ رہا ہے یہ حکیم صاحب ہی کی مساعی جمیلہ کا ثمرہ ہے۔ موصوف کے شائع کردہ لٹریچر کے اثرات برصغیر پاک و ہند کے علاوہ تمام مغربی ممالک میں بھی پھیل گئے اور مخالفین اہل سنت تو کیا مستشرقین نے بھی آپ کی اس قابل قدر خدمت کا اعتراف کیا۔ مگر جولائی ۱۹۹۶ء کے آخر میں حکیم صاحب نے مجلس رضا سے لاتعلقی کا اعلان کر کے دردمندانِ اہل سنت کو یاس و ناامیدی میں مبتلا کر دیا۔

حکیم صاحب سے قبل کئی "اہل حق" نے بھی اسی طرح دل برداشتہ ہو کر گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ اس افسوسناک صورت حال کے پیش نظر ہم ایک ایسی کتاب مرتب کرنا چاہتے ہیں۔ جس سے عوام الناس اس کے اسباب و وجوہ جان کر حق و باطل میں صحیح امتیاز کر سکیں۔

حکیم صاحب کے وہ احباب جو ان کی بددلی کے اسباب جانتے ہیں۔ وہ حقائق پر مبنی اپنے رشحات قلم ہمیں ارسال فرمائیں۔ جن حضرات کے علم میں حکیم صاحب کی طرح کے دیگر حضرات پیشوایان اہل سنت کے واقعات محفوظ ہوں، وہ بھی یہ دل خراش یادیں تحریر کر کے ہمیں بھیجیں تاکہ آیندہ نسلوں کی رہنمائی کے لئے ہماری یہ پیشکش نشان راہ ثابت ہو۔ ادارہ غوثیہ رضویہ

نوٹ، اہل قلم حضرات اپنے مقالات حسب ذیل پتہ پر ارسال کریں۔ مکان نمبر ۲۲/B گلی عیسیٰ کھوہ مبارک مصری شاہ لاہور ۳۹

حرفِ آغاز

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ : اَمَّا بَعد!

حافظ نعمت علی صاحب زید مجدہٗ نے ۱۳۹۵ھ / ۱۹۷۵ء میں الصوارم الہندیہ نامی کتاب شائع کی جس کا دیباچہ راقم الحروف سے لکھوایا تھا جو مذکورہ کتاب کے سابقہ ۲۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ بعض احباب کا اصرار ہوا کہ ہم اس دیباچے کو علیحدہ کتابی شکل میں لانا چاہتے ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ افراد اس سے استفادہ کر سکیں۔ احقر نے ان حضرات کی خواہش کے پیشِ نظر مذکورہ دیباچہ پر نظرِ ثانی کر کے بعض مقامات پر ترمیم و اضافے بھی کر دیئے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی مناسب نظر آیا کہ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء) نے جن عبارتوں کی بنا پر مرزا غلام احمد قادیانی (المتوفی ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء) کے ساتھ جن چار علمائے دیوبند کی تکفیر بھی کی تھی ان کی اصل عبارتوں کو ان کے سیاق و سباق سمیت پیش کر دیا جائے۔ اور عام فہم لفظوں میں ان کا حقیقی مفہوم واضح کر دیا جائے تاکہ عام لوگ کو بھی معلوم ہو جائے کہ مصنفین نے ان عبارتوں میں کیا کہا تھا۔ اختصار کے سبب ہم یہاں ان سے متعلقہ تاویلات کا جائزہ نہیں لیں گے۔ کیونکہ اس کام کے لئے ہماری کتاب کھلا خط مخصوص ہے جو عنقریب منظرِ عام پر آنے کے لئے پر تول رہی ہے اِنْ شَاءَ اللہ تعالیٰ۔ — چنانچہ مولوی محمد قاسم نانوتوی صاحب (المتوفی ۱۲۹۷ھ / ۱۸۷۹ء) نے اپنی کتاب تحذیر الناس میں لکھا ہے:

بعد حمد و صلوٰۃ کے قبل عرضِ جواب یہ گزارش ہے کہ اوّل معنی خاتم النبیین معلوم کرنے چاہئیں تاکہ فہمِ جواب میں کچھ دقت نہ ہو۔ سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخر نبی ہیں۔ مگر اہلِ فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانے میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ پھر

پیغام

(لاہور کے مردِ قلندر، دانائے اہلسنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ العالی کے نام)

۱۔ عشق کی ہے مدح خواں آج تک نہرِ فرات — عشق سے رنگین ہے یہ جہانِ شش جہات

۲۔ عشق تیری نَے میں ہے، عشق تیری سُنے میں ہے — عشق ہے تیری دلہن، عشق ہے تیری برات

۳۔ عشق سے ہے زندگی، عشق سے تابندگی — عشق ہے کانِ مراد، عشق ہے جانِ حیات

۴۔ آکہ سنواریں ذرا، زلفِ پریشانِ دیں — اس سے ہی قسمت بنے، ہے یہ متاعِ حیات

۵۔ آج تو تنہا نہیں، ساتھ ہیں شاہ رضا — سحر ہونے کو ہے، دیکھ کہ بھیگی ہے رات

۶۔ سیدِ ہجویر کی تجھ پہ ہے چشمِ کرم — ہند کے سلطان کی ہے نگہِ التفات

۷۔ عظمتِ شاہ رضا جب کہ ہے پیشِ نظر — آپ سے راضی ہوئے تاجورِ کائنات

۸۔ کام سے قسمت بنے، کام سے عزت ملے — وہ بھی لگیں کام میں جو کہ بناتے ہیں بات

۹۔ نام سے کچھ بھی نہیں، کام سے بنتا ہے کام — رہزنوں کی چال دیکھ، چھوڑ اُن کی ذات پات

۱۰۔ غیظ میں جلتے ہیں وہ، جھوٹ پہ پلتے ہیں وہ — پہنچے جو پیشِ حرم، دل میں لیے سومنات

۱۱۔ عالمانِ دین بھی، اِک روپے کے تین بھی — ملتے ہیں اس دَور میں جہل کے لات و منات

۱۲۔ سو گئے تھے پیشوا، چھوڑ کر خالی حرم — ان کو جگانا بھی ہے چھیڑ کر سازِ حیات

۱۳۔ عالمِ دیں ہے وہی، عاقبت پہ ہو نظر — ان سے جہاں کا ثبات، ہیں یہی قدسی صفات

۱۴۔ راہبرِ راہِ حرم، تیز ترک گام زن — ٹوٹ نہ جائے کہیں، تارِ نفس بے ثبات

۱۵۔ رَن میں نبرد آزما ہو گیا اختر ترا — شاطرانِ دین کے کرنے جو مُہرے ہیں مات

اختر شاہجہانپوری مظہری عفی عنہ

لاہور

تقدم میں وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر اس وصف کو اوصاف مدح میں سے نہ کہئے اور اس مقام کو مقام مدح قرار نہ دیجئے تو البتہ خاتمیت باعتبار تاخر زمانی صحیح ہو سکتی ہے مگر میں جانتا ہوں کہ اہل اسلام میں سے کسی کو یہ بات گوارا نہ ہوگی کہ اس میں ایک تو خدا کی جانب نعوذ باللہ زیادہ گوئی کا وہم ہے۔ آخر اس وصف میں اور قد و قامت و شکل و رنگ و حسب و نسب و سکونت وغیرہ اوصاف میں جن کو نبوت یا اور فضائل میں کچھ دخل نہیں کیا فرق ہے جو اس کو ذکر کیا اوروں کو ذکر نہ کیا۔ دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب نقصانِ قدر کا احتمال۔ کیونکہ اہل کمال کے کمالات ذکر کیا کرتے ہیں۔ اور ایسے ویسے لوگوں کے اس قسم کے احوال بیان کیا کرتے ہیں، اعتبار نہ ہو تو تاریخوں کو دیکھ لیجئے۔

باقی یہ احتمال کہ یہ دین آخری دین تھا اس لئے سد باب اتباع مدعیان نبوت کیا ہے جو کل کو جھوٹے دعویٰ کر کے خلائق کو گمراہ کریں گے، البتہ فی حد ذاتہ قابل لحاظ ہے پر جملہ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ اور جملہ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ میں کیا تناسب تھا جو ایک کو دوسرے پر عطف کیا اور ایک کو مستدرک منہ اور دوسرے کو استدراک قرار دیا اور ظاہر ہے کہ اس قسم کی بے ربطی اور بے ارتباطی خدا کے کلام معجز نظام میں متصور نہیں۔ اگر سد باب مذکور منظور ہی تھا تو اس کے لئے اور بیسیوں موقع تھے۔ بلکہ بناء خاتمیت اور بات پر ہے جس سے تاخر زمانی اور سد باب مذکور خود بخود لازم آجاتا ہے اور فضیلت نبوی دوبالا ہو جاتی ہے۔" [1]

اگر نانوتوی صاحب کی مخالفت و موافقت اور محبت و نفرت کو بالائے طاق رکھ کر تحذیر الناس کی اس طویل عبارت کو دیکھا جائے تو ہر اردو خواں قاری کے پردۂ ذہن پر اس سے یہ مفہوم و مطالب ابھر کر سامنے آتے ہیں۔

۱۔ اللہ اور رسول کی بتائی ہوئی خاتمیت پر ایمان رکھنا جس پر تیرہ سو برس سے امت

[1] محمد قاسم نانوتوی، مولوی: تحذیر الناس، شائع کردہ ادارہ اسلامیات لاہور ص ۳

محمدیہ کا اجماع چلا آرہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تمام سابقہ انبیائے کرام کے بعد ہے اور آپ سب میں آخری نبی ہیں، یہ عوام کا خیال ہے اور یہ عقیدہ رکھنے والے نانوتوی صاحب کے نزدیک اہل فہم نہیں ہیں۔

۲۔ نانوتوی صاحب کے نزدیک جو حضرات اہل فہم ہیں۔ ان پر روشن ہے کہ کسی نبی کے پہلے یا سب سے بعد میں آنے کے اندر بالذات کوئی فضیلت نہیں ہے۔

۳۔ اگر حضور کو بلحاظ زمانہ سب سے آخری نبی مانا جائے تو اس صورت میں وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کا مقام مدح میں ہونا صحیح قرار نہیں پاتا۔

۴۔ نانوتوی صاحب کے نزدیک اگر حضور کے بلحاظ زمانہ آخری نبی ہونے کو اوصاف مدح میں شمار نہ کیا جائے اور اس آیت کو مقام مدح قرار نہ دیں تو آپ کا آخری نبی ہونا صحیح ہو سکتا ہے۔

۵۔ نانوتوی صاحب خود بھی جانتے تھے کہ اہل اسلام اس بات کو گوارہ نہیں کریں گے۔ کیونکہ آخری نبی ماننے میں ان کے نزدیک ایک قباحت تو یہ ہے کہ نعوذ باللہ خدا کی جانب زیادہ گوئی یعنی فضول باتیں بنانے کا وہم ہوتا ہے کیونکہ آخری نبی ہونے کا تو قد و قامت، شکل و رنگ، حسب و نسب اور سکونت وغیرہ کی طرح نبوت تو کیا دیگر فضائل میں بھی کوئی دخل نہیں۔

۶۔ جب قد و قامت اور شکل و رنگ وغیرہ باتوں کا خدا نے ذکر نہیں کیا جن کا نبوت اور فضائل میں کوئی دخل نہیں تو آخری نبی ہونا بھی ان جیسی ہی بات ہے جس کا نبوت اور فضائل میں کوئی دخل نہیں ہے لہٰذا اس آیت میں موصوف کے نزدیک خدا نے آپ کے آخری نبی ہونے کا ذکر نہیں کیا ہوگا۔

۷۔ نانوتوی صاحب کے نزدیک آخری نبی ماننے سے حضور کی شان گھٹ جانے کا احتمال ہے کیونکہ اہل کمال کے کمالات بیان کیے جاتے ہیں اور کمالات سے محروم لوگوں کے متعلق ایسی ویسی باتیں کہی جاتی ہیں۔ چونکہ آخری نبی ہونا موصوف کے نزدیک کمال کی بات نہیں بلکہ محض ایسی ویسی بات ہے لہٰذا اس آیت میں

خدا نے آپ کے آخری نبی ہونے کے متعلق نہیں کہا ہوگا۔

۸۔ ہاں یہ احتمال کہ یہ آخری دین ہے اس لیے جھوٹے مدعیانِ نبوت کا اس آیت میں سدِباب کیا ہو جو کل کو جھوٹے دعوے کرکے لوگوں کو گمراہ کریں گے تو یہ بات کسی حد تک نانوتوی صاحب کے نزدیک قابلِ لحاظ ہو سکتی تھی لیکن ان کے نزدیک ہے یہ بات بھی نہیں کیونکہ اگر یہ بات اس آیت میں ہوتی تو جملہ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ اور جملہ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ میں کوئی تناسب نہیں رہتا اور یہ دونوں جملے ایک دوسرے پر عطف نہیں ہو سکتے تھے اور ایک کو مستدرک منہ اور دوسرے کو استدراک قرار نہیں دیا جا سکتا تھا کیونکہ یہ بے ربطی ہے جبکہ خدا کے کلام معجز نظام میں ایسی بے ارتباطی متصور نہیں اور ایسا مذکورہ سدِباب کے باعث لازم آرہا ہے لہٰذا اس آیت کے متعلق موصوف یہ نہیں مان سکتے کہ اس کے ذریعے اللہ تعالےٰ نے جھوٹے مدعیانِ نبوت کا سدِباب کیا ہو۔

۹۔ اگر اللہ تعالیٰ کو یہ سدِباب منظور ہوتا تو نانوتوی صاحب کے نزدیک قرآن کریم میں اور بیسیوں موقع تھے لیکن وہاں اس بات کا سدِباب نہیں کیا جبکہ اس آیت میں تو موصوف کے نزدیک مذکورہ سدِباب کا موقع ہی نہیں تھا۔

۱۰۔ اب موصوف دلی راز ظاہر کرتے ہیں کہ خاتمیت کی بنیاد ہی دراصل اور بات پر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن میں بھی نہ آئی اور خواہ مخواہ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ سے اپنے خاتم ہونے کا مفہوم سمجھاتے رہے اور کبھی اپنے آپ کو قصرِ نبوت کی آخری اینٹ بتاتے رہے۔ اسی خاتمیت پر خواہ مخواہ صحابۂ کرام اجماع کر بیٹھے اور اسی کو خواہ مخواہ امتِ محمدیہ نے اپنا عقیدہ بنائے رکھا۔ اسے ضروریاتِ دین سے ٹھہرا لیا اور اس کے منکر بلکہ اس کے معنی میں تاویل کرنے والے کو بھی کافر و مرتد قرار دیتے رہے۔ چونکہ یہ سارے ہی نانوتوی صاحب کے نزدیک عوام تھے اور اہلِ فہم نہیں تھے اسی لیے وہ اصلی خاتمیت کو معلوم ہی نہ کر سکے۔ انہیں تو اتنا بھی معلوم نہ ہو سکا کہ خاتمیت

کی بنیاد کس بات پر ہے۔ تیرہ ۱۳ صدیاں گزرنے پر دہ اصلی خاتمیت نانوتوی صاحب کو معلوم ہوئی ہے۔ جس سے تاخرِ زمانی اور مذکورہ سدِباب خود ہی لازم آجائے گا اور خدا اسے تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی افضلیت دوبالا نہ ہو سکی لیکن نانوتوی صاحب اصلی خاتمیت سے سرفراز کرکے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی افضلیت کو دوبالا کرکے چھوڑیں گے۔

حضرات گرامی! یہ ہیں نانوتوی صاحب کی مذکورہ طویل عبارت کے مضمرات۔ یہ سب اللہ اور اس کے آخری رسول اور تیرہ ۱۳ سو سالہ امتِ محمدیہ یعنی صحابۂ کرام، تابعین عظام، آئمہ مجتہدین، اولیائے عارفین اور علمائے کاملین کے خلافِ موصوف کی محاذ آرائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلحاظ زمانہ آخری نبی ماننے والے عوام ہیں، اہلِ فہم نہیں ہیں۔ آخری نبی ہونے میں بالذات کوئی فضیلت نہیں ہے۔ آخری نبی ماننے سے وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کا مقامِ مدح میں فرمایا جانا صحیح نہیں ہو سکتا اور اس آیت کو مقامِ مدح قرار نہیں دیا جا سکتا۔ حضور کو آخری نبی ماننے سے خدا کی زیادہ گوئی کا وہم ہوتا ہے۔ کیونکہ آخری نبی ہونے کو نبوت تو کیا دیگر فضائل میں بھی دخل نہیں اس سے موصوف کو رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی شان گھٹ جانے کا احتمال ہے۔ اگر حضور کو آخری نبی مانا جائے تو نانوتوی صاحب کے نزدیک آپ کو کمالات سے خالی اور ایسے ویسے لوگوں میں ماننا لازم آتا ہے۔ مذکورہ آیت میں اگر جھوٹے مدعیانِ نبوت کا سدِباب مانا جاتے تو اس کا موصوف کے نزدیک اس آیت میں موقع نہیں تھا اور ایسا ماننے سے قرآنِ مجید کو بے ربط کتاب ماننا لازم آتا ہے۔ اگر مذکورہ سدِباب ہی منظور ہوتا تو قرآن کریم میں اس کے دیگر بیسیوں مواقع تھے لیکن خدا نے وہاں اس باب کا سدِباب نہیں کیا نانوتوی صاحب سے پہلے کسی کو بناءِ خاتمیت معلوم نہیں ہو سکی تھی اور سب اندھیرے میں تیراندازی کی مشق کر رہے تھے۔ اب تیرہ ۱۳ صدیوں کے بعد موصوف ہی کو بناءِ خاتمیت معلوم ہوئی جس سے تاخرِ زمانی اور مذکورہ سدِباب خود بخود لازم آجاتا ہے۔ خدا سے تو حضور کی افضلیت دوبالا نہ کی جا سکی لیکن نانوتوی صاحب نے حضور کو

ایسی خاتمیت سے سرفراز کر دیا ہے۔ جس کے باعث اب افضلیت نبوی دو بالا ہو جائے گی ——— نانوتوی صاحب نے اس کے بعد یوں لکھا ہے:

"موصوف بالعرض کا قصہ موصوف بالذات پر ختم ہو جاتا ہے جیسے موصوف بالعرض کا وصف موصوف بالذات سے مکتسب ہوتا ہے۔ موصوف بالذات کا وصف جس کا ذاتی ہونا اور غیر مکتسب من الغیر ہونا لفظ بالذات ہی سے مفہوم ہے کسی غیر سے مکتسب اور مستعار نہیں ہوتا۔" ع۱

"سو اسی طور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کو تصور فرمائیے یعنی آپ موصوف بوصف نبوت بالذات ہیں اور سوا آپ کے اور نبی موصوف بوصفِ نبوت بالعرض۔ اوروں کی نبوت آپ کا فیض ہے پر آپ کی نبوت کسی اور کا فیض نہیں۔ آپ پر سلسلۂ نبوت مختتم ہو جاتا ہے۔" ع۲

ان دونوں عبارتوں میں نانوتوی صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت و نبوت کو بالذات اور دیگر انبیائے کرام کی نبوت کو بالعرض قرار دیا ہے۔ موصوف نے دعویٰ نبوت کے لئے چور دروازہ بنایا۔ تحذیر الناس کتاب ۱۲۹۰ھ میں منظرِ عام پر آئی۔ پورے ملک میں شور و غل ہوا کیونکہ متحدہ ہندوستان سنیوں حنفیوں سے بھرا ہوا تھا اور تیرہ ۱۳ صدیاں گزرنے والی تھیں کہ پہلی دفعہ یہ غیر اسلامی آواز اور نئی خاتمیت سننے میں آئی۔ علمائے کرام رد و تردید میں خوب سرگرمی دکھا رہے تھے۔ عقیدۂ خاتمیت کا پوری جرأت سے دفاع کر رہے تھے کہ ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۹ء میں مولوی محمد قاسم نانوتوی صاحب نبوت کا دعوے کیے بغیر یہ کہتے ہوئے راہیٔ ملکِ عدم ہو گئے:

قسمت تو دیکھئے کہاں پہ ٹوٹی ہے کمند
دو چار ہاتھ جبکہ لبِ بام رہ گیا

ع۱ محمد قاسم نانوتوی، مولوی: تحذیر الناس مذکورہ، ص ۴
ع۲ ایضاً: ص ۴

برٹش گورنمنٹ کو ایسے ہی دوسرے جرأت مند کی ضرورت محسوس ہوئی تو مرزا غلام احمد قادیانی (المتوفی ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء) مل گئے۔ انہوں ع۳ نے ۱۲۹۹ھ / ۱۸۸۱ء سے اپنا کام شروع کر دیا۔ نانوتوی صاحب والے چور دروازے سے پورا فائدہ اٹھایا لیکن اس کے نام میں تھوڑی سی تبدیلی کر لی کہ بالذات اور بالعرض کی جگہ اصلی اور ظلی بروزی کی اصطلاح استعمال کرنے لگے۔ خاتمیت مرتبی و زمانی کی جگہ تشریعی اور غیر تشریعی نبی کی اصطلاح آگئی یعنی نانوتوی صاحب کی روح سے معذرت کے ساتھ ———

خیر یہ بات تو برسبیل تذکرہ نوکِ قلم پر آگئی۔ آگے نانوتوی صاحب نے خاتمیت کے متعلق یوں لکھا ہے:-

"اور مجھ سے پوچھئے تو میرے خیالِ ناقص میں تو وہ بات ہے کہ سامع منصف انشاء اللہ انکار ہی نہ کر سکے۔ سو وہ یہ ہے کہ تقدم تاخر یا زمانی ہوگا یا مکانی یا مرتبی۔ یہ تین نوعیں ہیں، باقی مفہوم تقدم و تاخر ان تینوں کے حق میں جنس" ع۴

اس عبارت میں موصوف نے دعویٰ نبوت کی خاطر چور دروازہ بناتے ہوئے خاتمیت کی اپنی طرف سے تین قسمیں گھڑ لیں تاکہ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ اور قصرِ نبوت کی آخری اینٹ والی خاتمیت زمانی کو غتر بود کر دیں اور اس پر جو لوگوں کا عقیدہ ہے اُسے ہٹا سکیں۔ چنانچہ اسی مقصد کی خاطر وہ اسی عبارت سے پہلے متصلاً یوں لکھ چکے ہیں:-

"اگر بطورِ اطلاق یا عمومِ مجاز اس خاتمیت کو زمانی اور مرتبی سے عام لے لیجئے تو پھر دونوں طرح کا ختم مراد ہوگا پر ایک مراد ہو تو شایان شانِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم خاتمیت مرتبی ہے نہ زمانی۔" ع۵

اس عبارت میں موصوف نے صاف صاف بتا دیا کہ بطورِ اطلاق یا عمومِ مجاز تو دونوں طرح کی خاتمیت مراد لی جا سکتی ہے لیکن ایک ہی خاتمیت اگر مراد ہو تو شایان

ع۳ محمد شفیع، مفتی: ختم نبوت کامل، اشاعت چہارم، مطبوعہ کراچی، ص ۱۶
ع۴ محمد قاسم نانوتوی، مولوی: تحذیر الناس مذکورہ، ص ۹
ع۵ " " " " "

شانِ محمدی وہی خاتمیت ہے جو نانوتوی صاحب نے تیرہ۱۳ صدیاں گذرنے پر گھڑی ہے اور جو خاتمیت اللہ اور اس کے رسول نے بتائی، صحابۂ کرام نے سمجھی اور سمجھائی، تیرہ۱۳ سو سال سے اُمّتِ محمدیہ نے اپنے دلوں اور دماغوں کی زینت بنائی۔ وہ موصوف کے نزدیک شایانِ شانِ محمدی نہیں ہے۔ ——— آگے نانوتوی صاحب اپنی گھڑی ہوئی خاتمیت مرتبی کا یہ فائدہ بتاتے ہیں۔

باندیشۂ تطویل قدر ضرورت پر اکتفا کر کے عرض پرداز ہوں کہ اطلاق خاتم اس بات کو مقتضی ہے کہ تمام انبیاء کا سلسلۂ نبوت آپ پر ختم ہوتا ہے۔ جیسے انبیاء گذشتہ کا وصف نبوت میں حسب تقریر مسطور، اس لفظ سے آپ کی طرف محتاج ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور آپ کا اس وصف میں کسی کی طرف محتاج نہ ہونا، اس میں انبیاء گزشتہ ہوں یا کوئی اور۔ اسی طرح اگر فرض کیجئے آپ کے زمانہ میں اس زمین یا کسی اور زمین یا آسمان میں کوئی نبی ہو تو وہ بھی اس وصفِ نبوت میں آپ کا محتاج ہوگا اور اس کا سلسلۂ نبوت بہرطور آپ پر مختتم ہوگا اور کیوں نہ ہو عمل کا سلسلہ علم پر ختم ہوتا ہے۔ جب علم ممکن للبشر ہی ختم ہو لیا تو پھر سلسلہ علم و عمل کیا چلے۔ غرض اختتام اگر بایں معنی تجویز کیا جائے جو میں نے عرض کیا تو آپ کا خاتم ہونا انبیاء گذشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔“ [۱]

اللہ تعالٰے نے جو اپنے محبوب سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی بنایا یعنی خاتمیت زمانی سے سرفراز فرمایا ہے اس کے مقابلے پر نانوتوی صاحب نے اس عبارت میں اپنی گھڑی ہوئی خاتمیت مرتبی کا بہتر اور مفید ہونا دکھایا ہے کہ میری گھڑی ہوئی خاتمیت مرتبی میں یہ فائدہ ہے کہ اس کی رُو سے تمام انبیاء کا سلسلۂ نبوت آپ پر ختم ہوگا۔ خواہ وہ حضور سے پہلے نبی ہوں یا آپ کے زمانے میں کسی جگہ زمین و آسمان میں موجود ہوں یا بالفرض کچھ انبیاء آپ کے

[۱] محمد قاسم نانوتوی، مولوی؛ تحذیر الناس مذکورہ، ص ۱۵

بعد پیدا ہو جائیں۔ اب نانوتوی صاحب مسلمانوں سے اپیل کر رہے ہیں کہ اگر خاتمیت کا مطلب اللہ اور رسول کی بتائی ہوئی خاتمیت کو چھوڑ کر میری تجویز کے مطابق مان لیا جائے تو اس کا یہ فائدہ ہوگا کہ حضور گذشتہ انبیاء کے خاتم ہی نہیں رہیں گے۔ بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کسی جگہ کوئی اور نبی ہو تب بھی حضور کا خاتم ہونا بدستور باقی رہے گا۔ جبکہ اللہ اور رسول کی بتائی ہوئی خاتمیت کو ماننے میں یہ فائدہ نہیں ہے ——— موصوف نے آگے لکھا ہے:۔

”ہاں اگر خاتمیت بمعنی اتصاف ذاتی بوصف نبوت لیجئے جیسا کہ اس ہیچمدان نے عرض کیا ہے تو پھر سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی کو افراد مقصود بالخلق میں سے مماثل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہہ سکتے بلکہ اس صورت میں فقط انبیاء کی افراد خارجی ہی پر آپ کی افضلیت ثابت نہ ہوگی افرادِ مقدرہ پر بھی آپ کی افضلیت ثابت ہو جائے گی۔ بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا چہ جائیکہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجئے اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے۔“ [۱]

اس عبارت میں نانوتوی صاحب نے اللہ اور رسول کی بتائی ہوئی خاتمیت کے مقابلے اپنی گھڑی ہوئی خاتمیت کی تین۳ وجہ سے برتری دکھائی ہے یا اس کے اندر تین۳ فائدے لیسے بتاتے ہیں۔ جو اللہ اور رسول کی بتائی ہوئی خاتمیت زمانی میں نہیں ہیں یعنی:۔

۱- اگر نانوتوی صاحب کا بتایا ہوا خاتمیت کا مفہوم مان لیا جائے کہ حضور موصوف بوصف نبوت بالذات ہیں اور دیگر انبیائے کرام موصوف بوصفِ نبوت بالعرض۔ اس کا پہلا فائدہ تو یہ ہوگا کہ انبیائے کرام کے افراد مقصود بالخلق میں سے کسی کو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مماثل نہیں کہا جا سکے گا۔

۲- دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ انبیائے کرام کے افراد خارجی پر ہی نہیں بلکہ نبی کریم صلی اللہ

[۱] محمد قاسم نانوتوی، مولوی؛ تحذیر الناس مذکورہ، ص ۲۲

تعالیٰ علیہ وسلم کی فضیلت انبیائے کرام کے افرادِ مقدرہ پر بھی ثابت ہو جائے گی۔

۳- تیسرا فائدہ اللہ اور رسول کی بتائی ہوئی خاتمیت کو چھوڑ کر نانوتوی صاحب کی گھڑی ہوئی خاتمیت کو ماننے کا یہ ہو گا کہ بالفرض حضورؐ کے زمانے کے بعد بھی کوئی نبی پیدا ہو جائے پھر بھی خاتمیتِ محمدی میں کوئی فرق نہیں آئے گا اور کسی اور زمین یا اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کر لیا جائے تو نانوتوی صاحب کی گھڑی ہوئی خاتمیت کو ماننے کے سبب اُس معاصر کے باعث بھی خاتمیتِ محمدی میں کوئی فرق نہیں آئیگا ــــ نانوتوی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے۔

"بایں ہمہ اطلاق مماثلت میں مزید رفعتِ مراتب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ یہانتک کہ اگر اطلاق مذکور کو تسلیم نہ کیجئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور رفعت کے سات حصّوں میں سے کل ایک ہی باقی رہ جائے اور چھ حصّے عظمت کم ہو جائے"[1]

"اگر ہفت زمین کو بطور مذکور بر ترتیب فوق و تحت نہ مانئے تو پھر عظمت و شانِ محمدی بہ نسبت اس قدر عظمت کے جو درصورت تسلیم ارضی ہفت گانہ بطور مذکور لازم آتی تھی چھ گنی کم ہو جائے گی۔ ظاہر ہے کہ بادشاہ ہفت اقلیم کو اگر کوئی نادان فقط اسی اقلیم کا بادشاہ سمجھے جس میں وہ رونق افروز ہے تو یوں کہو کہ اس کی عظمت کے چھ حصے گھٹا دیئے، فقط ایک ہی پر قناعت کی۔"[2]

نانوتوی صاحب سے ان کے رشتہ دار مولوی محمد احسن نانوتوی (المتوفی ۱۳۱۲ھ ۱۸۹۵ء) نے درِ منثور میں مذکور ایک اثرِ ابن عباس کے بارے میں سوال کیا تھا۔ موصوف نے اثر مذکورہ کو اپنی دلیل بنایا اور دعویٰ نبوت کے لئے چور دروازہ بنانے کی غرض سے تحذیر الناس کتاب لکھی جسکی پورے متحدہ ہندوستان میں سے کسی ایک عالم نے بھی کلی تائید نہیں کی تھی کیونکہ اکابرِ امت نے اُس اثر کو شاذ کہتے ہوئے رد کیا اور عقیدۂ خاتمیت کے خلاف ٹھہرایا تھا جیسا کہ اسی تحذیر الناس کے صفحہ ۲۹، ۳۰ پر نانوتوی صاحب نے خود بھی اعتراف کیا ہے۔ موصوف نے اثر مذکورہ کے تحت سات زمینیں الگ الگ ٹھہرائیں اور ہر زمین میں

[1] محمد قاسم نانوتوی، مولوی :- تحذیر الناس مذکورہ ص ۱۷

[2] ایضاً : ص ۲۹

ایک ایک آدم، نوح، ابراہیم، عیسیٰ اور محمد علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام ٹھہرائے۔ یوں تشبیہ مثل کا فتنہ پھر جگایا۔ گویا خود حضورؐ کے زمانے میں آپ کے ہمنام چھ نبی ان زمینوں میں موجود تھے اور اوپر کی زمین والے کو ان سب کا حاکم ٹھہرایا ہے اور بتایا ہے کہ وہ اپنی اپنی زمین کے خاتم اور حضورؐ ان سب کے بھی خاتم حالانکہ اکابرِ امت نے اس بات کو کفر ٹھہرایا ہے اور ایسا عقیدہ رکھنے کو عقیدہ خاتمیت کا انکار قرار دیا ہے جیسا کہ دیوبندیوں کے مفتیٔ اعظم پاکستان مولوی محمد شفیع صاحب (المتوفی ۱۳۹۶ھ) نے اپنی کتاب ختم نبوت کامل میں ا… کی اس بارے میں متعدد عبارتیں نقل کی ہیں۔ نانوتوی صاحب نے اللہ اور رسول کی بتائی ہوئی خاتمیت پر اپنی گھڑی ہوئی خاتمیت کی برتری دکھاتے ہوئے مذکورہ دونوں عبارتوں کے اندر یہ کہا ہے:-

۱- اللہ اور رسول کی بتائی ہوئی خاتمیت کے مقابلے میں نانوتوی صاحب کی گھڑی ہوئی خاتمیت کو یہ برتری ہے کہ باقی چھ زمینوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چھ مثل اور ماننے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ چھ گناہ اور بلند ہو جاتا ہے۔

۲- اگر باقی چھ زمینوں میں آپ کے چھ مثل اور نہ مانے جائیں تو اس صورت میں نانوتوی صاحب کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور رفعت کے سات حصوں میں سے صرف ایک حصہ باقی رہ جائے گا اور چھ حصّے عظمت و رفعت کم ہو جائیگی۔

۳- وہ شخص نادان ہیں جو اللہ اور رسول کی بتائی ہوئی خاتمیت کے مطابق حضور کو ایک ہی ملک کا بادشاہ بتاتے رکھنے پر قناعت کئے ہوئے ہیں اور آپ کی چھ گناہ شان گھٹا رہے ہیں۔

۴- اللہ اور رسول کی بتائی ہوئی خاتمیت کو چھوڑ کر موصوف کی بتائی ہوئی خاتمیت کو ماننے کا نانوتوی صاحب کے نزدیک یہ فائدہ ہے کہ اس کے ماننے سے حضورؐ کی شان چھ گنا اور بڑھ جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ سے بڑھائی نہیں جا سکی تھی۔

نانوتوی صاحب نے اپنی اس گھڑنت کا اعتراف ان لفظوں میں کیا ہوا ہے:-

ہاں بوجہ عدم ثبوت قطعی نہ کسی کو تکلیف عقیدہ دے سکتے ہیں نہ کسی کو بوجہ

انکار کافر کہہ سکتے ہیں کیونکہ اس قسم کے استنباطِ امت کے حق میں مفید یقین نہیں ہو سکتے، احتمال خطا باقی رہتا ہے۔ البتہ تصریحات قطعی الثبوت تو پھر تکلیف مذکور اور تکفیر مسطور دونوں بجا تو یہاں ایسی تصریحات درجہ قطعیت کو نہیں پہنچی یعنی نہ کلام اللہ میں ایسی تصریح ہے نہ کسی حدیث متواتر میں البتہ حضرت عبداللہ بن عباس سے ایک اثر منقول ہے۔ جو درجہ تواتر تک نہیں پہنچا نہ اس کے مضمون پر اجماع منعقد ہوا ہے۔[1]

اب اللہ اور رسول کی بتائی ہوئی خاتمیت زمانی کے بارے میں بھی نانوتوی صاحب کی تصریح ملاحظہ ہو:۔

"سو اگر اطلاق اور عموم ہے تب تو ثبوت خاتمیت زمانی ظاہر ہے ورنہ تسلیم لزوم خاتمیت زمانی بدلالت التزامی ضرور ثابت ہے اور تصریحات نبوی مثل انت منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی او کما قال؛ جو بظاہر بطرز مذکور اسی لفظ خاتم النبیین سے ماخوذ ہے۔ اس باب میں کافی ہے کیونکہ یہ مضمون درجہ تواتر کو پہنچ گیا ہے۔ پھر اس پر اجماع بھی منعقد ہو گیا گو کہ الفاظ مذکور بسندِ تواتر منقول نہ ہوں۔ سو یہ عدم تواتر الفاظ باوجود تواتر معنوی یہاں ایسا ہی ہوگا جیسا تواتر اعداد رکعاتِ فرائض و وتر وغیرہ باوجودیکہ الفاظ احادیث مشعر تعداد رکعات متواتر نہیں۔ جیسا اس کا منکر کافر ہے ایسا ہی اس کا منکر بھی کافر ہوگا۔"[2]

ان دونوں عبارتوں میں نانوتوی صاحب نے اپنی گھڑی ہوئی خاتمیت اور اللہ و رسول کی بتائی ہوئی خاتمیت کی شرعی حیثیت اپنے لفظوں میں بیان کی ہے اور دونوں کے ماننے اور نہ ماننے کا شرعی حکم بھی لکھ دیا۔ ان عبارتوں کے بعض نکات یہ ہیں۔

۱۔ نانوتوی صاحب کی گھڑی ہوئی خاتمیت کا کوئی قطعی ثبوت نہیں ہے۔

۲۔ بایں وجہ اس پر عقیدہ رکھنے کی کسی کو تکلیف نہیں دی جا سکتی۔

---

[1] محمد قاسم نانوتوی، مولوی:۔ تحذیر الناس مذکورہ، ص ۲۹

[2] ایضاً، ص ۱۰، ۱۱

۳۔ موصوف کی گھڑی ہوئی خاتمیت کے منکر کو کافر نہیں کہا جا سکتا۔

۴۔ نانوتوی صاحب کی گھڑی ہوئی خاتمیت پر یقین نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ایسے استنباط میں خطا کا احتمال باقی رہتا ہے۔

۵۔ موصوف نے جو خاتمیت گھڑی اسکی قرآن مجید اور کسی متواتر حدیث میں کوئی تصریح نہیں ہے

۶۔ نانوتوی صاحب نے اس خاتمیت کی عمارت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ایک اثر کی بنیاد پر تعمیر کی ہے جس کو اکابر امت نے شاذ بتایا اور عقیدۂ خاتمیت کے خلاف ٹھہرا کر رد کیا ہوا تھا۔

۷۔ نانوتوی صاحب کے نزدیک بھی مذکورہ اثر درجۂ تواتر کو نہیں پہنچا اور امتِ محمدیہ کا اس پر اجماع منعقد نہیں ہوا، بلکہ یہ امتِ مرحومہ کا رد کیا ہوا اثر ہے۔

۸۔ نانوتوی صاحب پورا زور لگاتے رہے ہیں کہ خاتمیت مرتبی کو ماننے سے خاتمیت زمانی خود بخود لازم آجائے گی حالانکہ موصوف کی یہ سینہ زوری اور عوام الناس کو دھوکا دینا ہے کیونکہ خاتمیت مرتبی کے ماننے سے تو خاتمیت زمانی کا انکار لازم آتا ہے۔

۹۔ اللہ اور رسول کی بتائی ہوئی خاتمیت زمانی کا مضمون درجۂ تواتر کو پہنچ گیا ہے۔

۱۰۔ خاتمیت زمانی پر امتِ محمدیہ کا اجماع بھی منعقد ہو گیا ہے۔

۱۱۔ خاتمیت زمانی کا منکر رکعاتِ نماز کے منکر کی طرح کافر ہے۔

جب نانوتوی صاحب بھی خود مانتے تھے کہ خاتمیت زمانی کا منکر کافر ہے تو انہوں نے جان بوجھ کر اس کے خلاف دوسری خاتمیت کیوں گھڑی اور کیوں کفر و ارتداد کا ارتکاب کیا؟ اس سوال کا جواب موصوف نے اس عبارت میں دیا ہوا ہے:۔

"باقی رہی یہ بات کہ بڑوں کی تاویل کو نہ مانتے تو ان کی تحقیر نعوذ باللہ لازم آئے گی۔ یہ انہیں لوگوں کے خیال میں آ سکتی ہے جو بڑوں کی بات فقط از راہ بے ادبی نہیں مانا کرتے ایسے لوگ اگر ایسا سمجھیں تو بجا ہے، المرء یقیس

علیٰ نفسہٖ۔ اپنا یہ وطیرہ نہیں ۔ نقصانِ شان اور چیز ہے اور خطاو
نسیان اور چیز۔ اگر بوجہ عدم التفات بڑوں کا فہم کسی مضمون تک نہ پہنچا تو ان کی شان
میں کیا نقصان آگیا؟ اور کسی طفلِ نادان نے کوئی ٹھکانے کی بات کہہ دی تو کیا
اتنی بات سے وہ عظیم الشان ہوگیا؟

؎ گاہ باشد کہ کودکِ ناداں
بغلط بر ہدف زند تیرے ۱۳

اس عبارت میں نانوتوی صاحب نے کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں رکھی بلکہ اللہ اور رسول کی بتائی ہوئی خاتمیت کے مقابلے پر نئی خاتمیت گھڑنے اور پوری امتِ محمدیہ کی مخالفت کرکے، کفر وارتداد کا وبال سر پر لینے کی وجہ بیان کردی ہے۔ چند نکات ملاحظہ فرمایئے:۔

۱۔ اگر کوئی نانوتوی صاحب سے یہ کہتا کہ آپ نے اللہ اور رسول کی بتائی ہوئی صحابہ کرام کی سمجھی اور سمجھائی ہوئی اجماعی خاتمیت کو رد کرکے اس کے بالمقابل اپنی طرف سے جو خاتمیت گھڑی ہے تو ایسا کرنے کے باعث ان سارے بڑوں کی تحقیر لازم آئے گی تو موصوف نے جواب دے دیا ہے کہ بڑوں کی تحقیر تب ہوتی ہے جب کوئی ان کی بات کو بے ادبی سے نہ مانے جبکہ میں نے تو ان کی بتائی ہوئی خاتمیت کو بڑے ادب و احترام سے ٹھکرایا اور رد کیا ہے لہٰذا ان کی تحقیر کب لازم آئی؟

۲۔ نانوتوی صاحب بتا رہے ہیں کہ میں بڑوں کی بے ادبی نہیں کر رہا ہوں بلکہ خاتمیت کے معنی میں سارے ہی بڑوں سے بھول چوک اور خطا و نسیان کا وقوع ہوگیا تھا۔

۳۔ بڑوں سے خاتمیت کے معنی میں یہ غلطی بایں وجہ واقع ہوئی کہ انہوں نے خاتمیت کے معنی کی طرف پوری توجہ نہیں فرمائی تھی۔

۴۔ خاتمیت کے معنی کی طرف پوری توجہ نہ کرنے کے باعث بڑوں کا ذہن اس کے حقیقی مفہوم تک نہ پہنچ سکا اور ان میں سے کوئی ایک بھی ٹھکانے کی بات نہ کہہ سکا۔

۵۔ تیرہ۱۳ صدیاں گزرنے پر برٹش گورنمنٹ کی نگاہِ عنایت سے ٹھکانے کی بات آج

---

۱۳ محمد قاسم نانوتوی، مولوی: تحذیرالناس مذکورہ، ص ۲۳

ایک طفل نادان نے اپنی کتاب تحذیرالناس میں کہہ دی ہے۔ جیساکہ حسنِ اتفاق سے کبھی کسی طفلِ نادان کا تیر بھی نشانے پر جا لگتا ہے اور اتنی بات سے وہ عظیم الشان نہیں ہو جاتا ——— افسوس!

؎ کیا خبر تھی کہ لیکر چراغِ مصطفوی ✤ جہاں میں آگ لگاتی پھرے گی بولہبی

۲۔ مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب (المتوفی ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء) کا ایک مہری دستخطی فتویٰ میرٹھ سے ربیع الآخر ۱۳۰۸ھ میں شائع ہوا جس کے اندر وقوعِ کذب کے قائل کی موصوف نے حمایت کی تھی۔ اس فتوائی کی نقل ردِّ شہابِ ثاقب کے صفحہ ۲۸۶ تا ۲۸۹ پر موجود ہے۔ مولانا شاہ محمد اجمل مفتی سنبھل رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۳ء) نے اس فتوے کے بارے میں یہ وضاحت بھی فرمائی ہے:۔

"ہم عدم تکفیر والا فتویٰ پیش کر رہے ہیں یہ ۱۳۰۸ھ کا ہے جو ماہ ربیع الآخر تک میرٹھ میں چھپ کر شائع ہوا تو اس پر ہر طرف سے اعتراضات ہوئے اور اس کے رد میں ایک رسالہ صیانۃ الناس لکھا گیا جو مطبع حدیقۃ العلوم میرٹھ میں طبع ہوا۔ پھر یہی فتویٰ ۱۳۱۸ھ میں مع ردِّ بلیغ کے مطبع گلزار حسنی بمبئی میں چھپا۔ پھر ۱۳۲۰ھ میں یہی فتویٰ مع قاہر رد کے پٹنہ عظیم آباد مطبع تحفہ حنفیہ میں چھپا۔" ۱۴

موصوف نے مولوی حسین احمد ٹانڈوی صاحب کو جواب دیتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے:۔

"اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے یہ بالکل صحیح فرمایا۔ گنگوہی جی کا اسی مضمون کا فتویٰ مہری دستخطی اعلیٰ حضرت کے پاس موجود تھا۔ اس کے فوٹو آج بکثرت علماء کے پاس موجود ہیں۔ یہ فتویٰ گنگوہی جی کے سامنے سے طبع ہو رہا ہے۔ ملک میں برابر شور ہوا ہے۔ گنگوہی جی نے اپنی حیات میں اس فتوے سے انکار نہیں کیا۔ ان کے فتوے کا فوٹو میرے پاس بھی موجود ہے۔" ۱۵

---

۱۴ ش۔ محمد اجمل، مفتی: ردِّ شہابِ ثاقب، مطبوعہ کراچی، ص ۲۹۳

۱۵ ایضاً: ص ۲۸۵

گنگوہی صاحب کے مذکورہ مہری دستخطی فتوے کے چند جملے یہاں قارئین کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں تاکہ قارئین کو یہ معلوم ہو جائے کہ کیا باتیں گنگوہی صاحب کی طرف منسوب ہو رہی تھیں، اس کے باوجود وہ ۱۳۰۸ھ سے ۱۳۲۳ھ تک پندرہ سالوں میں بولے کیوں نہیں؟ کیوں اقرار یا انکار نہیں کیا؟ منہ پر سکوت کی مہر کیوں لگائے رکھی؟ خیر جملے ملاحظہ ہوں:۔

"الجواب:۔ اگرچہ شخص ثالث نے تاویل آیات میں خطا کی ہے مگر تاہم اس کو کافر کہنا یا بدعتی ضال کہنا نہیں چاہیئے۔ کیونکہ خلف وعید کو جماعت کثیرہ علماء سلف کی قبول کرتی ہے .... علاوہ اس کے مجوزین خلفِ وعید خلف وقوع کے بھی قائل ہیں .... کیونکہ کذب بولتے ہیں قول خلافِ واقع کو سو وہ گاہ وعید ہوتا ہے، گاہ وعدہ، گاہ خبر اور سب کذب کے انواع ہیں اور وجود نوع کا وجود جنس کو مستلزم ہے .... لہٰذا وقوع کذب کے معنی درست ہو گئے اگرچہ بضمن کسی فرد کے ہو۔ پس بناءً علیہ اس ثالث کو کوئی سخت کلمہ نہ کہنا چاہیئے کہ اس میں تکفیر علماء سلف کی لازم آتی ہے .... لہٰذا اس ثالث کو تضلیل و تفسیق سے مامون کرنا چاہیئے۔" عـہ

گنگوہی صاحب کے مذکورہ فتوٰی کے بارے میں چودھویں صدی کے مجدد برحق، ماضی قریب میں سرمایہ ملت کے عدیم المثال نگہبان امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) نے یوں وضاحت فرمائی ہے:۔

"وہ فتوٰی جس میں اللہ تعالیٰ کو بالفعل کاذب جھوٹا مانا ہے اور جس کی اصل مہری دستخطی [illegible]ت تک محفوظ ہے اور اس کے فوٹو بھی لیے گئے جن میں سے ایک فوٹو علمائے [illegible]ین شریفین کو دکھانے کے لئے مع دیگر کتب دشنامیاں گیا تھا۔ سرکار مدینہ طیبہ میں بھی موجود ہے۔ یہ تکذیبِ خدا کا ناپاک فتوٰی اٹھارہ برس ہوئے ربیع الآخر ۱۳۰۸ھ میں رسالہ صیانۃ الناس کے ساتھ مطبع حدیقۃ العلوم میرٹھ میں مع رد کے شائع ہو چکا۔ پھر ۱۳۱۸ھ میں

عـہ شاہ محمد اجمل، مفتی:۔ ردِ شہابِ ثاقب، مطبوعہ کراچی، ص ۲۸۶، ۲۸۷

[illegible] میں اس کا اور مفصل رد چھپا۔ پھر ۱۳۲۰ھ میں پٹنہ عظیم آباد مطبع گلزار حسنی میں مطبع تحفۂ حنفیہ [illegible] لاہور چھپا اور فتوٰی دینے والا جمادی الآخرہ ۱۳۲۳ھ میں مرا اور مرتے دم [illegible] نہ یہ کہا کہ وہ فتوٰی میرا نہیں حالانکہ خود چھاپی ہوئی کتابوں سے فتوٰی کا [illegible] یا سہل تھا۔ نہ یہی بتایا کہ مطلب وہ نہیں جو علمائے اہل سنت بتا رہے ہیں، بلکہ [illegible] مطلب یہ ہے۔ نہ کفر صریح کی نسبت کوئی سہل بات تھی جس پر التفات نہ کیا۔ زید کے [illegible] مہری فتوٰی اسکی زندگی و تندرستی میں علانیہ نقل کیا جائے اور وہ قطعاً [illegible] کفر ہو اور سالہا سال اُس کی اشاعت ہوتی رہے۔ لوگ اس کا رد چھاپا کریں۔ [illegible] اس کی بنا پر کافر بتایا کریں۔ زید اس کے بعد پندرہ برس جئے اور یہ سب کچھ دیکھے [illegible] اور اس فتوٰی کی اپنی طرف نسبت سے انکار اصلاً شائع نہ کرے بلکہ دم سادھے [illegible] یہاں تک کہ دم نکل جائے۔ کیا کوئی عاقل گمان کر سکتا ہے کہ اس نسبت سے [illegible] انکار تھا یا اس کا مطلب کچھ اور تھا اور ان میں سکے جو زندہ ہیں آج کے دم تک [illegible]" عـہ

گنگوہی صاحب کا مذکورہ فتوٰی ۱۳۰۸ھ میں چھپا اور ۱۳۲۳ھ میں گنگوہی صاحب [illegible] عدم ہوئے۔ جہاں آخری دم تک متواتر گنگوہی صاحب خاموش رہے اور [illegible] کے متعلق ایک لفظ تک نہ کہا وہاں جملہ معتقدین و متوسلین بھی خاموش اور خود فراموش [illegible] پندرہ سال بعد جب گنگوہی صاحب شہر خموشاں کے مکیں ہو گئے تو موصوف کے [illegible] دیوبندی مناظرین کی زبانیں کھل گئیں اور شور مچانا شروع کر دیا کہ وہ فتوٰی [illegible] جناب گنگوہی صاحب کا نہیں ہے، وہ جھوٹی نسبت ہے، وہ ہمارے [illegible] اور معبود کعبہ پر بہتان ہے۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

مولوی خلیل احمد انبیٹھوی صاحب (المتوفی ۱۳۴۵ھ/۱۹۲۶ء) نے مولانا [illegible] رامپوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۱ء) کی کتاب انوار ساطعہ

عـہ [illegible] امام احمد رضا خاں، حسام الحرمین، مطبوعہ لاہور، ص ۳۸، ۳۹

اول کا جواب براہینِ قاطعہ کے نام سے لکھا۔ انبیٹھوی صاحب نے علم وسعت زمین پر [illegible] کرتے ہوئے لکھا ہے :۔

شیطان وملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخرِ عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔[۱]

انبیٹھوی صاحب کی یہ عبارت تو بظاہر بڑی مختصر سی ہے لیکن اس میں وہ بڑی ہولناک [illegible] اور ایمان سوز باتیں کہہ گئے ، جن پر عجب نہیں کہ آسمان پھٹ کر گر پڑتا۔ یہ علمائے دیوبند ہی کا دل گردہ ہے کہ خوفِ خدا اور خطرۂ روزِ جزا سے اس قدر عاری ہو کر خدا کے [illegible] کمال کے سبب سے باکمال محبوب کی یوں کھل کر توہین وتنقیص کرتے ہیں اور اس پر ذرا نہیں شرماتے ، آتشِ جہنم کو قطعاً خطرے میں نہیں لاتے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے آمین۔ اس عبارت کے چند نکات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ شیطان اور ملک الموت کو ساری زمین کا علم حاصل ہے۔

۲۔ شیطان وملک الموت کو ساری زمین کا علم ہونے کے قرآن وحدیث میں واضح دلائل موجود [illegible]

۳۔ ایسی ایک بھی قطعی دلیل قرآن وحدیث میں نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ حضور کو [illegible] یہ علم حاصل ہے۔

۴۔ اس علم کا حضور کے لیے ثابت کرنا شرک ہے۔

۵۔ جب حضور کے لیے اس علم کا ثابت کرنا شرک ہوا اور شیطان وملک الموت کے لیے [illegible] ثابت ہوا تو انبیٹھوی صاحب کے نزدیک خدا نے شیطان وملک الموت کو اپنی خدائی میں شامل کر رکھا ہے۔

۶۔ جب اس علم کا حضور کے لیے ثابت کرنا شرک ہے تو مخلوق کے جس فرد کے لیے بھی ثابت کیا جائے ، شرک ہی ہے گا۔ لہٰذا شیطان وملک الموت کے لیے نصوص سے ثابت کر کے قرآن وحدیث نے شرک کی تعلیم دی۔

---

[۱] خلیل احمد انبیٹھوی ، مولوی براہین قاطعہ ، مطبوعہ نیشنل پرنٹنگ پریس دیوبند ، ص ۵۵

۷۔ جب اسے شیطان وملک الموت کے لیے نصوص سے ثابت مان لیا تو مخلوق میں سے کسی فرد کے لیے بھی اس کا ثابت کرنا شرک نہ رہا کیونکہ معلوم ہو گیا کہ یہ علم خدا کی صفتِ خاصہ نہیں ہے۔

۸۔ دریں حالات حضور کے لیے اس کا ثبوت ماننے کو شرک ٹھہرا کر انبیٹھوی صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین وتنقیص کی ہے۔

۹۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے یہ علم ثابت کرنے والی تمام آیتوں اور حدیثوں سے آنکھیں بند کر کے لکھ دیا کہ فخرِ عالم کی وسعتِ علم کی کونسی نص قطعی ہے ؟ یعنی ایک نص کا اقرار بھی نہ کرنا۔ ایسا کر کے موصوف نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دلی عداوت رکھنے اور اپنے ایمان کی آنکھیں پھوٹ جانے کا ثبوت دیا ہے۔

۱۰۔ معلوم نہیں ایسا عقیدہ رکھنے کے باوجود علمائے دیوبند نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عالم علم الاولین والآخرین کس مصلحت کے تحت لکھ دیا کرتے ہیں۔

انبیٹھوی صاحب نے اس عبارت سے چند سطر پہلے دین ودیانت کا دامن چھوڑ کر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے اس علم کے انکار پر ایڑی چوٹی کا زور لگایا ۔ اور ایک بھی ثبوت نہ ملنے پر تلبیس سے کام لیتے ہوئے یہ مغالطے بھی دیئے ہیں :

" ملک الموت اور شیطان کو جو یہ وسعت علم دی اس کا حال مشاہدہ اور نصوص قطعیہ سے معلوم ہوا۔ اب اس پر کسی افضل کو قیاس کر کے اس میں بھی مثل یا زائد اس مفضول سے ثابت کرنا کسی عاقل ذی علم کا کام نہیں۔ اول تو عقائد کے مسائل قیاسی نہیں کہ قیاس سے ثابت ہو جاویں بلکہ قطعی ہیں۔ قطعیات نصوص سے ثابت ہوتے ہیں ، کہ خبرِ واحد بھی یہاں مفید نہیں۔ لہٰذا اس کا اثبات اس وقت قابلِ التفات ہو کہ مؤلف قطعیات سے اس کو ثابت کرے اور خلاف تمام امت کے ایک قیاس فاسد سے عقیدہ خلق کا اگر فاسد کیا جاوے تو کب قابلِ التفات ہوگا۔ دوسرے قرآن وحدیث سے اس کے خلاف ثابت ہے ، پس اس کا خلاف کس طرح قبول ہو سکتا ہے بلکہ یہ سب قول مؤلف کا مردود ہوگا۔

خود فخرِ عالم علیہ السلام فرماتے ہیں واللہ لا ادری ما یفعل بی ولا بکم الحدیث

اور شیخ عبد الحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں:" لہ

موصوف نے اس عقیدے کے خلاف قرآن و حدیث ہونے کا دعوی کیا اور اپنے قر[illegible]

حدیث سے ایسے دو ثبوت پیش کیے جن پر شیطان بھی عش عش کر اٹھا ہوگا۔ انھوں

نے چند سطر بعد کفریہ عبارت سے متصل یہ بھی لکھا ہے:۔

الحاصل غور کرنا چاہیئے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخرِ عا[لم]

خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کونسا ایمان کا

ہے:" لہ

ملک الموت کے علم پر مزید بحث کرتے ہوئے موصوف نے یہ بھی لکھا ہے:۔

پس اعلیٰ علیین میں روح مبارک علیہ السلام کی تشریف رکھنا اور ملک الموت

سے افضل ہونے کی وجہ سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ علم آپ کا ان امور میں ملک الموت

کے برابر ہو چہ جائیکہ زیادہ۔" لہ

موصوف نے اولیاء اللہ کے لیے اسی علم کو تسلیم کرتے ہوئے یہ قلبی غیظ کا اظہار کیا ہے:۔

"ان اولیاء کو حق تعالیٰ نے کشف کر دیا کہ ان کو یہ حضورِ علم حاصل ہوگیا۔ اگر اپنے

فخرِ عالم علیہ السلام کو بھی لاکھ گونہ اس سے زیادہ عطا فرمادے ممکن ہے مگر ثبوت

فعلی اس کا کہ عطا کیا ہے، کس نص سے ہے کہ اس پر عقیدہ کیا جاوے۔" لہ

دیوبندیو! قیامت ضرور آئے گی، حساب کتاب ضرور ہوگا۔ لہٰذا محشر کی تپتی ہوئی زم[ین]

پر یہ جواب دینے کے لیے تیار رہنا کہ جو علم اپنے مورثِ اعلیٰ شیطان ملعون کے لیے مان لیا۔ ملک الم[وت]

کے لیے تسلیم کر لیا۔ ہزاروں لاکھوں اولیاء اللہ یعنی بارگاہ مصطفوی کے غلاموں کے لیے تسلیم کر[لیا]

لہ خلیل احمد انبیٹھوی، مولوی، براہین قاطعہ، مطبوعہ دیوبند، ص ۵۱

لہ خلیل احمد انبیٹھوی، مولوی: براہین قاطعہ، مطبوعہ دیوبند، ص ۵۵

لہ ایضاً، ص ۵۶

لہ ایضاً ص ۵۶

[و]ہ آپ لوگوں کے نزدیک اگر خدا نے کسی کو عطا نہیں کیا تو وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

[ہ]یں۔ اہلِ ایمان اگر محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے یہی علم ثابت کریں جو اُن کے غلاموں

[کو] بھی حاصل ہے تو آپ کے نزدیک یہ شرک ہے اور شرک بھی ایسا جس میں ایمان کا کوئی حصہ

[نہ]یں۔ وائے غربتِ اسلام! محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلام اس ستم ظریفی کی فریاد

کس سے کریں جبکہ:۔

رہزن حضرِ راہ کی قبا چھین کر

رہنما بن گئے دیکھتے دیکھتے

۴۔ مولوی اشرف علی تھانوی صاحب (المتوفی ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) نے حفظ الایمان کے نام

سے ایک چھوٹی سی کتاب لکھی جو ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء میں منظرِ عام پر آئی، جس سال کہ غلام احمد

قادیانی نے اپنے نبی اور رسول ہونے کا کھل کر دعویٰ کیا تھا۔ تھانوی صاحب سے کسی نے بعید

سوال کیے تھے جن میں سے ایک سوال لفظ عالم الغیب سے متعلق بھی تھا۔ مستفتی نے سوال

کے آخر میں لکھا تھا۔" زید کا یہ استدلال اور عقیدہ و عمل کیسا ہے:" لہ

تھانوی صاحب نے لفظ عالم الغیب سے متعلق زید کے استدلال پر بحث کی اور عقیدہ

و عمل کی وضاحت کرتے ہوئے ایسے گستاخانہ اور کفریہ الفاظ بارگاہ رسالت میں جاری کیے کہ

دین و دیانت اور شرافت و غیرت سب اپنا سر پیٹ کر رہ گئے۔ موصوف نے لکھا ہے

"پھر یہ کہ آپ کی ذاتِ مقدسہ پر علمِ غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو

تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کُل غیب۔ اگر

بعض علومِ غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی ہی کیا تخصیص ہے ایسا علمِ غیب تو زید و عمرو

بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے کیونکہ ہر شخص کو کسی

نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہے تو چاہیئے کہ سب

کو عالم الغیب کہا جائے پھر اگر زید اس کا التزام کر لے کہ ہاں میں سب کو عالم الغیب

کہوں گا تو پھر علمِ غیب کو منجملہ کمالاتِ نبویہ شمار کیوں کیا جاتا ہے۔ جس امر میں مومن

بلکہ انسان کی بھی خصوصیت نہ ہو وہ کمالاتِ نبوت سے کب ہو سکتا ہے اور التزام

لہ اشرف علی تھانوی، مولوی: حفظ الایمان، مطبوعہ نامی پریس لاہور، ص ۴

نہ کیا جاوے تو نبی و غیر نبی میں وجہ فرق بیان کرنا ضروری ہے اور اگر تمام علوم غیبیہ مراد ہیں، اس طرح کہ اس کی ایک فرد بھی خارج نہ رہے تو اس کا بطلان دلیل عقلی و نقلی سے ثابت ہے۔[1]

تھانوی صاحب کی اس عبارت سے جو باتیں قاری کے پردۂ ذہن پر آتی ہیں انھیں آسان اور سیدھے سادے لفظوں میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے۔

۱. زید جس علم غیب کے حصول کی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ پر لفظ عالم الغیب کا اطلاق کرتا ہے اُس سے زید کی مراد بعض غیب ہے یا کل غیب۔

۲. یہاں تھانوی صاحب نے علم غیب کی صرف دو قسمیں کی ہیں یعنی بعض غیب اور کل غیب آگے موصوف نے دونوں کے بارے میں اپنے فیصلے بیان کئے ہیں۔

۳. اگر زید اس وجہ سے لفظ عالم الغیب کا آپ کی ذاتِ مقدسہ پر اطلاق کرتا ہے کہ حضور کو تمام علوم غیبیہ حاصل تھے، یہاں تک کہ ان کی ایک فرد بھی خارج نہیں رہی تھی تو موصوف نے لکھا کہ اس کا بطلان دلیل عقلی و نقلی سے ثابت ہے۔

۴. اب رہ گئی صرف دوسری قسم یعنی بعض علم غیب۔ تو زید اگر بعض علوم غیبیہ کی بنا پر حضور کی ذات مقدسہ پر اس لفظ کا اطلاق کرتا ہے تو اس میں حضور کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

۵. حضور کو اگر بعض علوم غیبیہ معلوم ہیں تو ایسے بعض علوم غیبیہ تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کو بھی حاصل ہیں۔

۶. اگر بعض علوم غیبیہ کے حصول کی بنا پر حضور کو عالم الغیب کہا جائے تو چاہیئے کہ مذکورہ تمام چیزوں کو عالم الغیب کہا جائے۔

۷. اگر زید اس بات کا التزام کر لے کہ اچھا میں ان سب کو بھی عالم الغیب کہا کروں گا تو یہ بتایا جائے کہ علم غیب کو کمالات نبویہ میں کیوں شمار کیا جاتا ہے؟

۸. یہ ہے تھانوی صاحب کا منصبِ نبوت کی تحقیر و تذلیل کرنا کہ زید و عمرو وغیرہ کا ایک آدھ بات کو جان لینا اور انبیائے کرام کا بطورِ معجزات کے علوم غیبیہ سے مشرف کیا جانا موصوف

[1] اشرف علی تھانوی، مولوی، حفظ الایمان مذکورہ، ص ۱۶

کو ایک سا نظر آیا اور پوچھنے بیٹھ گئے کہ اسے کمالات نبویہ میں کیوں شمار کیا جاتا ہے۔ کاش موصوف کے دل کی آنکھیں بند نہ ہو گئی ہوتیں اور انہیں قرآن مجید میں وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (۳ : ۱۷۹) اور عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (۷۲ : ۲۶، ۲۷) کے الفاظ نظر آ جاتے تو یہ پوچھنے نہ بیٹھتے کہ علم غیب کو کمالات نبویہ میں کیوں شمار کیا جاتا ہے۔

۹. تھانوی صاحب کے نزدیک علم غیب سے تو کسی عام آدمی کو بھی خصوصیت حاصل نہیں ہوتی لہٰذا علوم غیبیہ کو نبی کے کمالات میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔

۱۰. اگر زید مذکورہ تمام چیزوں کو عالم الغیب کہنے کا التزام نہ کرے اور حضور کو کہے تو وہ اس فرق کی وجہ بتائے جبکہ علم غیب کے باعث تھانوی صاحب کے نزدیک نبی اور غیر نبی کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

یہ ہے تھانوی صاحب کی وہ عبارت جو ۱۳۱۹ھ میں حفظ الایمان کتاب کے اندر منظر عام پر آئی۔ اس کفریہ عبارت کے بعد تھانوی صاحب تینتالیس سال دنیا میں بقید حیات رہے اور ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء میں ملک عدم کی جانب سدھارے لیکن اتنی مدت میں نہ کفر و ارتداد سے توبہ کی اور نہ اپنی اس عبارت کو گھر میں بیٹھ کر یا میدانِ مناظرہ میں آکر اسلامی ثابت کر سکے۔ دیوبندی حضرات نے تو انھیں اپنا بقیۃ السلف اور عمدۃ الخلف ٹھہراتے ہوئے حکیم الامت اور مجدد دین و ملت بنا لیا تھا بلکہ جامع المجددین تک قرار دے لیا کہ ان میں سابقہ تمام مجددین کی خوبیاں جمع ہیں لیکن یہ سراسر خلاف واقعہ اور محض زبانی خرچ ہے کیونکہ بیچارے تھانوی صاحب تو حق و صداقت کے ایسے دشمن اور کفر و ارتداد کے عاشق تھے کہ تینتالیس سالوں میں نہ اپنے سر سے کفر کا وبال اُتارا اور نہ اپنے تینوں اکابر کے کفریات کے بارے میں زبان و قلم کو حرکت دینے کی ضرورت محسوس کی کیونکہ ان کفریہ عبارتوں میں کسی اسلامی معنی کی رمق بھی نہیں ہے۔

اعلیٰحضرت نے اُن چاروں حضرات کی وہ کفریہ عبارتیں سیاق و سباق سمیت پیش کر دیں اور اُن سے متعلقہ بعض دیگر عبارتیں پیش کر کے مصنفین کے مفہوم کی مزید وضاحت کر دی۔ محبت و نفرت سے بالاتر ہو کر اُن عبارتوں کا جو مطلب ایک عام قاری کے ذہن میں آ سکتا ہے وہ آسان لفظوں

میں نمبروار پیش کر دیا ہے۔ فریقین کے علماء نے ان کی تائید و تردید میں جو بحثیں کیں اور دلائل پیش
کیے، ان سطور میں طوالت سے بچنے کی خاطر اُنھیں نظر انداز کر دیا ہے کیونکہ طرفین نے آج تک جو
ان عبارتوں کی تائید و تردید میں کہا ہے اس کو ہم نے اپنی کتاب کُھلا خط میں سمیٹ رکھا ہے جو
منظرِ عام پر آنے والی ہے اِنْ شَاءَ اللهُ تعالیٰ۔ احقر نے یہ محنت محض اس لیے کی ہے کہ جو
حضرات مغالطے میں ہوں شاید اُن میں سے کسی کو ہدایت ہو جائے۔ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ
مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَیْهِ اُنِیْبُ ۝ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا
اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۝ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی
عَلٰی حَبِیْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِیْنَ۔

گدائے دَرِ اولیاء عبدالحکیم خاں اختر
مجددی مظہری شاہجہان پوری
لاہور

۶ ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ
مطابق ۹ دسمبر ۱۹۸۶ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

منظور ہے گزارشِ احوالِ واقعی
اپنا بیانِ حُسنِ طبیعت نہیں مجھے

انگریزوں نے سونے کی چڑیا دیکھ کر اپنے بھوکے مُلک سے افلاس دور کرنے کی خاطر متحدہ
ہندوستان کے خوشحال ترین صوبہ بنگال میں ایسٹ انڈیا کمپنی قائم کی۔ جب تجارت کے پردے میں یہاں
خوب پاؤں جم گئے تو مُلک پر للچائی ہوئی نگاہیں ڈالنے لگے۔ حصولِ مقصد کی خاطر جوڑ توڑ کا جال بچھانا شروع
کیا اور اپنی عیاری سے بنگال پر قابض ہو گئے دیسی غداروں اور زر خرید کارندوں کے باعث یکے بعد
دیگرے مختلف ریاستوں پر قبضہ جماتے ہوئے ایک روز سرزمینِ پاک و ہند کے واحد مالک بن بیٹھے۔
چونکہ متحدہ ہندوستان کی مرکزی حکومت یعنی دہلی کا تخت و تاج آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر
سے چھینا تھا۔ اور مسلمان ہی فعال نظر آتے تھے لہٰذا مُلک کے فرمانروا بنتے ہی ملتِ اسلامیہ کو صلیب
تثلیث کا شیدائی بنانے کی سر توڑ کوشش کی اور انگلینڈ سے اس مقصد کی خاطر پادری صاحبان بلانے
شروع کر دیئے جو آتے ہی اسلامی عقائد و نظریات اور بانیِ اسلام پر اعتراضات کی بوچھاڑ کر دیتے نیز علمائے
اسلام کو جگہ جگہ دعوتِ مناظرہ دیتے پھرتے۔ برساتی حشرات الارض کی طرح پادریوں کا جال پورے
مُلک میں بچھا دیا گیا تھا۔

۱۸۵۴ء میں لندن سے اپنے مایۂ ناز پادری فنڈر کو بھیجا گیا جو عربی اور فارسی میں بھی
کافی مہارت رکھتا تھا، اس نے آتے ہی مختلف شہروں میں تقریریں کرتے ہوئے بلند بانگ
دعاوی کیے اور اسلام کی حقانیت کو چیلنج کرتے ہوئے مقابلے کیلئے علمائے اسلام کو للکارا چنانچہ مدرسہ صولتیہ
واقع مکہ مکرمہ کے بانی، فخرِ ہندوستان، پاسبانِ حرمین، مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ

المتوفی ۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۰ء نے مرحوم ڈاکٹر وزیر خاں کی معیت میں پادری فنڈر سے مناظرہ کیا اور آگرہ کی سرزمین میں اس کا سارا علمی غرور ایسا خاک میں ملایا کہ روسیاہی کو چھپانے کی خاطر پادری صاحب کو متحدہ ہندوستان سے بھاگتے ہی بنی اور اس درجہ بدحواس ہو کر بھاگا کہ لندن پہنچ کر ہی دم لیا۔
اسی طرح مختلف پادریوں نے جگہ جگہ منہ کی کھائی، علمائے اسلام ان کا علمی محاذ پر ناطقہ بند کرتے اور یہ اعلان سناتے رہتے تھے۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

تقریر وتحریر اور مناظرہ ومباحثہ کے میدانوں میں جب پادری صاحبان کو منہ کی کھانی پڑ رہی تھی تو ایسٹ انڈیا کمپنی کو اپنا منصوبہ زندہ درگور ہوتا ہُوا نظر آیا۔ ان حالات میں پرانے شکاری ایک نیا جال لے کر نمودار ہوئے۔ چنانچہ ۱۸۵۵ء میں پادری ایڈمنڈ نے کلکتہ سے ہر تعلیم یافتہ ہندوستانی اور خصوصاً سرکاری ملازمین کے پاس ایک گشتی مراسلہ بھیجا جس کا مفہوم یہ تھا۔

اب ہندوستان میں ایک عملداری ہو گئی۔ تار برقی سے ہر جگہ کی خبر ایک ہو گئی۔ ریلوے اور سڑک سے ہر جگہ کی آمد ورفت ایک ہو گئی۔ مذہب بھی ایک چاہیے۔ اس لیے مناسب ہے کہ تم لوگ بھی عیسائی۔ ایک مذہب ہو جاؤ۔ [1]

انگریزوں کی ایسی عیاریوں کے خلاف لاوا پکتا رہا اور دل ودماغ کھولتے رہے، جس کا

پچھلے صفحہ کا حاشیہ: [a] مولانا رحمت اللہ کیرانوی اس ملک کے مایۂ ناز عالم ہوئے ہیں۔ ۱۲۳۳ھ / ۱۸۱۷ء کو قصبہ کیرانہ ضلع مظفر نگر (یو پی) میں پیدا ہوئے ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۴ء میں آگرے کے مقام پر پادری فنڈر کو شکست فاش دی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بھرپور حصہ لیا جس کے باعث جائیداد ضبط ہوئی تو مکہ معظمہ کو ہجرت کر گئے۔ حجاز کی اسلامی حکومت نے پایۂ حرمین کا لقب دیا۔ تقدیس الوکیل پر تقریظ لکھتے ہوئے اپنے شاگرد مولوی رشید احمد گنگوہی (المتوفی ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء) کی غیر اسلامی روش کو خوب بیان کیا۔ ۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۰ء میں مکہ مکرمہ کے اندر وفات پائی۔
[1] ۱۸۵۷ء مصنف غلام رسول مہر ص ۱۱

۱۸۵۷ء میں ظالم ومظلوم اور حاکم ومحکوم کے درمیان فیصلہ کن تصادم کی صورت میں منظر عام پر آیا۔ اس معرکہ آرائی میں انگریزوں کے قدم بُری طرح اُکھڑ گئے تھے یہاں تک کہ اُن کے فرار ہونے کے تمام راستے بھی مسدود تھے۔ تمام انگریزوں کو اپنی موت یقینی نظر آرہی تھی لیکن وہ جوڑ توڑ کے عدیم المثال ماہر اپنے زر خرید کارندوں اور ایجنٹوں کے سہارے ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک اس وطن پر مزید نوّے سال کے لیے قابض ہو گئے۔

اس تصادم کے باعث انگریز بہت حساس ہو گئے اور انہوں نے اپنی پالیسی کو بڑی حد تک پُراسرار بنا لیا۔ اس منصوبے کے تحت انہیں ایسے صاحبانِ جُبّہ ودستار کی جستجو ہوئی جن سے تخریب دین اور افتراق بین المسلمین کا کام لیا جائے تو قدرت نے بھی ان کے منصوبے کو خاک میں ملانے کا اہتمام کرا کہ ایسے لصوصِ دین کی سرکوبی اور ملک وملت کے ان بدخواہوں کے حقیقی خدوخال ظاہر کرنے والے امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ کو اس مسلح تصادم سے تقریباً ایک سال پہلے بریلی شریف میں پیدا کر دیا اور چودھویں صدی میں تجدید دین وملت کا فریضہ انجام دینے کا تاج اس کے سر پر سجا دیا۔ ملت اسلامیہ کے اس بطلِ جلیل، حقانیت کے علمبردار اور اسلاف کی مقدس امانت یعنی مذہب اہلسنت وجماعت کے بیباک ترجمان کے تجدیدی کارنامے کو ہم نے معارف رضا کے تاریخی نام سے چار ضخیم جلدوں میں بیان کیا ہے۔ جلد اوّل میں اُن صاحبان جُبّہ ودستار کے چہروں سے پوری طرح نقاب ہٹائی ہے جو حکومت وقت یا بُت پرست اکثریت کے نفس ناطقہ بن کر رہبری کے بھیس میں رہزنی کر رہے تھے۔ افسوس!

راہزن خضرِ رہ کی قبا چھین کر
راہنما بن گئے دیکھتے دیکھتے

۱۸۵۷ء کے بعد انگریز اگرچہ پورے ملک پر قابض ہو گئے لیکن اس معرکہ آرائی نے ان کی طاقت کا بھرم کھول دیا تھا۔ لہٰذا اب وُہ حساس ہو گئے اور اپنی اسلام دشمنی کو پُراسرار بنا لیا۔ جو زہر پہلے جبراً کھلاتے تھے اب وہ ایسی گولیوں کی صورت میں تیار کر کے کھلانے لگے جو دیکھنے میں خوشنما اور کام ودہن کو شیریں معلوم ہوتی تھیں [illegible] اس منصوبہ کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کی خاطر اور منزلِ مقصود پر پہنچنے کے لیے انگریز

نے اپنے لیے دو راستے تجویز کیے۔

پہلا راستہ یہ کہ مسلمانوں کے زیر تعلیم نونہالوں کو جو بڑے ہو کر قوم کا فعال عنصر اور حکومت کی مشینری کے پرزے بنتے ہیں انہیں ایسے رنگ میں رنگ دیا جائے اگرچہ انہیں عیسائی تو نہ کہا جا سکے لیکن ان کی اکثریت ایسی تربیت پا کر نکلے کہ اس پر مسلمان کی تعریف بھی صادق نہ آئے۔ وہ مسلمان ہی کہلاتے ہیں لیکن اسلامی تعلیم و تہذیب سے ناآشنا ہو جائیں۔ اس طرح مسلمانوں کی آنے والی نسلیں کسی اور ہی رنگ و روپ میں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوں گی جس کے باعث ان کا زاویۂ نظر ہی بدل جائے گا

دوسری جانب مذہبی رہنماؤں یعنی حضرات علماء کرام کو قوم کا ایسا عضو معطل بنا دیا جائے کہ بظاہر وہ کسی مصرف کے نظر نہ آئیں۔ قوم اُن سے وابستہ نہ رہے، ان کی عقیدت کھو بیٹھے تاکہ اسلام کی برکتوں سے بڑی حد تک محروم ہو جائے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کی غرض سے برٹش گورنمنٹ نے سب سے پہلے یہ قدم اُٹھایا۔

ابتدا میں مدرسوں اور کالجوں کے اندر تعلیم کا طریقہ دوسرا تھا۔ وہ تمام السنہ (زبانیں) و علوم پڑھائے جاتے تھے جن کا پہلے رواج تھا مثلاً عربی، فارسی، سنسکرت، فقہ، حدیث، ہندو دھرم کی کتابیں وغیرہ۔ ان کے ساتھ انگریزی بھی پڑھائی جاتی تھی۔ بعد ازاں عربی اور فارسی کی تعلیم بہت کم ہو گئی، فقہ و حدیث اور دوسری مذہبی کتابیں بند کر دی گئیں، اردو اور انگریزی کا زور ہوا۔ مذہبی علوم کی تعلیم ختم ہونے پر تشویش تھی ہی، "اچانک حکومت نے اشتہار دے دیا کہ جو شخص سرکاری سکولوں اور کالجوں کا تعلیم یافتہ ہو گا یا فلاں فلاں علوم اور انگریزی میں امتحان دے کر سند حاصل کرے گا اُسے دوسروں کے مقابلے میں ترجیح دی جائے گی" [1]

انگریز تو مسلمانوں کو اس رنگ میں دیکھنا ہی نہیں چاہتا تھا کہ وہ اسلامی تعلیمات سے آشنا ہو کر اسلام سے وابستہ رہے اور اسی وجہ سے حدیث و فقہ وغیرہ کی تدریس ختم کر دی تھی، عربی و فارسی برائے نام رکھی اور سارا زور انگریزی تعلیم پر دیا تاکہ سکولوں اور کالجوں میں

---

[1] اسباب بغاوت ہند ص ۱۶ — [illegible] مصنفہ غلام رسول مہر ص ۳۰

[illegible] نونہال [illegible] مسلمان نام کے بجائے ہو اور مغرب زدہ بنایا جائے تاکہ وہ [illegible] اور ہمیشہ انگریزوں کے گن گائیں۔

لیکن اس ستم ظریفی کی داد دینے والے کہاں سے آئیں کہ دُنیا کی سب سے بڑی نظریاتی مملکت [illegible] کبھی کہا جاتا تھا: پاکستان کا مطلب کیا: لا الٰہ الا اللہ، جس کے [illegible] اور کرایا جاتا تھا کہ پاکستان میں انسانوں کی نہیں بلکہ قرآن و سنت کی حکمرانی ہو گی [illegible] معرض وجود میں آئے چالیسواں سال گزر رہا ہے لیکن معمولی سی ترمیم کے ساتھ سکولوں [illegible] میں انگریزوں جیسا نصاب تعلیم ہی جاری ہے۔ اگر اسلامیات کی تعلیم کا کچھ عنصر نظر آئے [illegible] سیاست کے مشاعرے میں ردیف اور قافیہ کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے جبکہ [illegible] ہے۔ آئین ایسے نافذ ہوتے رہے ہیں جو خدا اور رسول کے فرمودہ آئین [illegible] سے بڑی حد تک قاصر تھے۔ ان میں چند اسلامی باتیں مصلحتاً محض دکھاوے کی غرض [illegible] کر لیتے اور باقی سارے کا سارا کسی مغربی ملک کے آئین کی نقل ہوتا تھا۔ اسلام پسند [illegible] انہیں دیکھ کر پہلے کفِ افسوس ملتے اور پھر یہ کہتے ہوئے رہ جاتے تھے۔

ہم بدلنا چاہتے تھے نظم میخانہ تمام
آپ نے بدلا ہے لیکن صرف میخانے کا نام

جب انگریز نے اسلامی تعلیمات کو سکولوں اور کالجوں سے خارج کر کے سارا زور انگریزی تعلیم پر دینا شروع کر دیا تو اس اقدام کی تائید و حمایت کرنے کی خاطر سر سید احمد خان (المتوفی ۱۳۱۶ھ [illegible]) کی سرکردگی میں نام نہاد مسلمانوں کا ایک گروہ پہلے ہی تیار کر لیا گیا تھا۔ یہ لوگ قوم [illegible] رہنماؤں اور خیر خواہوں کے بھیس میں آئے لیکن ان کے دین و ایمان کا بیڑہ غرق [illegible] برٹش اقتدار کی جڑیں پاتال تک پہنچانے اور مسلمانوں کا رُخ حرم سے لندن کی جانب [illegible] میں انہوں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا۔ انگریزوں نے پہلے مرحلے میں [illegible] علوم کو نصاب سے خارج کیا، عربی فارسی کو برائے نام رکھا نیز اردو اور انگریزی تعلیم

---

[1] اسباب بغاوت ہند ص ۱۶ — [illegible] مصنفہ غلام رسول مہر ص ۳۰

پر زور دینا شروع کیا تھا تو حکومت نے اس سوچے سمجھے منصوبے کو مسلمانوں کے علم میں گھس گھس کر پھیلنے پھولنے والے خیر خواہ حکومت کے منصوبے کو اپنی تجویز کی شکل میں حکومت کے سامنے پیش کرتے ہیں:

سررشتہ تعلیم جو چند سال سے جاری ہے وہ تربیت کے لیے ناکافی ہی نہیں بلکہ خراب کرنے والا تربیت اہل ہند کا ہے ..... میری صاف رائے ہے کہ اگر گورنمنٹ اپنی شرکت دیسی زبان میں تعلیم دینے سے الگ اٹھا دے اور صرف انگریزی مدرسے اور اسکول جاری کرے تو [illegible] برطانوی گورنمنٹ کی طرف سے ہے اٹھ جاتی ہے۔ صاف صاف [illegible] انگریزی زبان [illegible] سے تربیت کرتی ہے اور انگریزی زبان بلاشبہ ایسی ہے کہ انسان کی ہر قسم کی ملکی ترقی اس میں ہو سکتی ہے۔ [1]

اب انگریزوں کو مسلمانوں کی جڑیں کاٹنے کے لیے خود زحمت نہیں برداشت کرنی پڑتی تھی بلکہ جو کچھ وہ کرنا چاہتے تھے تجاویز کی صورت میں حکومت کے نفسِ ناطقہ یعنی دیسی کارندے حکومت ہی کے سامنے پیش کرتے اور برٹش گورنمنٹ نے انہیں مسلمانوں کے لیڈر، خیر خواہ اور رہنما منوانے کی مہم زور شور سے چلائی ہوئی تھی، جس کے باعث قوم کے کتنے ہی افراد انہیں اپنے حقیقی خیر خواہ سمجھ کر اُن کی ہمنوائی کا دم بھرنے لگتے اور اس طرح حکومت اپنا مقصد حاصل کر لیتی ـــ تعلیم و تدریس کے سارے نظام کو غیر اسلامی خطوط پر استوار کرنے کے بعد برٹش گورنمنٹ نے سر سید احمد خاں صاحب سے مرزا غلام احمد قادیانی اور ایسے زرخرید علماء کی طرح جہاد کی مخالفت کروائی۔ چنانچہ موصوف نے مسلمانوں کو اُن دنوں یوں تلقین کی تھی:

مسلمان انگریزی گورنمنٹ کی رعایا اور مستامن ہیں اور اپنے فرائض مذہبی بلا مزاحمت ادا کرتے ہیں۔ وہ شریعت اسلام کی رو سے بمقابلہ انگریزوں کے نہ جہاد کر سکتے ہیں، نہ بغاوت، نہ کسی قسم کا فساد۔ اُن کو ہندوستان میں انگریزی گورنمنٹ کے زیرِ حکومت اسی اطاعت و فرمانبرداری کے ساتھ ازروئے

[1] حیات جاوید۔ مصنفہ حالی پانی پتی۔ ص ۱۴۴

مذہب اسلام کے رہنا واجب ہے جیسا کہ ہجرت اول میں مسلمان حبش میں جا کر بادشاہ کے زیرِ حکومت رہے تھے۔ [1]

جذبہ جہاد کو سرد کرنے اور اسلامیانِ ہند کو انگریز بہادر کی حکومت پر جھکانے کی خاطر سر سید احمد خاں صاحب نے اپنی عمر عزیز ہی ضائع کر دی اور ان کے تمام تر ساتھی بھی اپنی اپنی جگہ میں بظاہر دلکش آواز میں مسلمانوں کو مسحور کرنے اور برٹش نواز بنانے کے لیے وقف ہو کر رہ گئے تھے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد موصوف نے اپنے جملہ وہابی بھائیوں یعنی ساری خارجی برادری کی جانب حکومت کے سامنے صفائی پیش کی:

اس (وہابی) کو یہ کہنا کہ در پردہ تخریب سلطنت کی فکر میں چپکے چپکے منصوبے باندھا کرتا ہے اور غدر اور بغاوت کی تحریک کرتا ہے محض تہمت ہے اور ہم اس وقت بہت سے ایسے آدمی نشان دے سکتے ہیں جو سرکار کے ایسے ملازم ہیں کہ اُن سے زیادہ سرکار کا خیر خواہ اور معتمد نہیں، باایں ہمہ وہ اپنے تئیں علی الاعلان اور بے تامل فخریہ طور پر وہابی کہتے ہیں۔ سرکار نے بے سوچے سمجھے ان کو معتمد نہیں گردانا، بلکہ غدر کے زمانے میں جب کہ فتنہ کی آگ ہر طرف مشتعل تھی تو ان کی وفاداری کا سونا اچھی طرح تایا گیا اور وہ خیر خواہی سرکار میں ثابت قدم رہے۔ اگر وہ جہاد کا وعظ کرتے اور بغاوت وہابیت کی اصل ہوتی تو جو کچھ اُن سے ظہور میں آیا، یہ کیونکر ظہور میں آتا۔ [2]

جناب الطاف حسین حالی پانی پتی نے اپنے قافلہ سالار لشکری انگریز دوستی کو ان لفظوں میں بیان کیا ہے:

ان (سر سید احمد خان صاحب) کی نہایت پختہ رائے تھی کہ ہندوستان کے لیے انگلش گورنمنٹ سے بہتر اگرچہ اس میں کچھ نقص بھی ہوں، کوئی گورنمنٹ نہیں ہو سکتی اور اگر امن و امان کے ساتھ ہندوستان کچھ ترقی کر سکتا ہے تو انگلش

[1] حیات جاوید، مصنفہ حالی پانی پتی، ص ۲۳۲

[2] ایضاً، ص ۲۳۳

گورنمنٹ ہی کے ماتحت رہ کر ملتا ہے۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ گو ہندوستان
کی حکومت کرنے میں انگریزوں کو متعدد لڑائیاں لڑنی پڑی ہوں مگر درحقیقت
نہ انہوں نے یہاں کی حکومت بزور حاصل کی اور نہ مکر و فریب سے بلکہ درحقیقت
ہندوستان کو کسی حاکم کی اس کے اصلی معنوں میں ضرورت تھی۔ سو اسی ضرورت
نے ہندوستان کو ان کا محکوم بنا دیا۔" ؎۱

انگریز جیسی ظالم و جابر قوم کی یہ قصیدہ خوانی اور ان مکر و فریب کے مجسموں کی ایسی مدح سرائی
بلاوجہ نہ تھی بلکہ یہ خدمت دین فروشی کے عوض ملنے والے لقمۂ تر کا کرشمہ تھا، جس کی خود انہوں نے
یوں وضاحت فرمائی ہے:

"ہم جو یہ کہتے ہیں کہ ہماری منصف گورنمنٹ مسلمانوں کے ساتھ ہے
اس کی بہت روشن دلیل یہ ہے کہ ہماری قدر دان گورنمنٹ نے خیر خواہ مسلمانوں
کی کیسی قدر و منزلت کی اور عزت و آبرو کی، انعام و اکرام اور جاگیر و پنشن سے مالا مال
کر دیا ہے، ترقی عہدہ اور فزونی مراتب سے سرفراز کیا ہے۔ پھر کیا یہ ایسی بات
نہیں ہے کہ مسلمان نازاں ہوں اور دل و جان سے اس گورنمنٹ کے شکرگزار
اور ثنا خواں رہیں۔" ؎۲

سر سید احمد خاں صاحب یوں تو علم منقول و معقول سے بڑی حد تک محروم تھے لیکن اپنے
پڑھے لکھے ساتھیوں کے سہارے حکومت کے اشاروں پر دین متین میں تحریف و تخریب
کا شرمناک کام بھی عمر بھر پوری جرأت اور دیدہ دلیری سے کرتے رہے تھے۔ چنانچہ موصوف
کے سوانح نگار، جناب حالی صاحب نے حیات جاوید کی وجہ تصنیف بیان کرتے ہوئے
اس سلسلے میں یوں وضاحت فرمائی ہے:

"ہم کو اس کتاب میں اس شخص کا حال لکھنا ہے جس نے چالیس برس برابر
تعصب اور جہالت کا مقابلہ کیا ہے، تقلید کی جڑ کاٹی ہے، بڑے بڑے
علماء و مفسرین کو ٹوکا ہے، اماموں اور مجتہدوں سے اختلاف کیا ہے،

؎۱ حیات جاوید، مصنفہ حالی پانی پتی ص ۲۸۲ ؎۲ ایضاً ص ۱۵۰

[illegible] ایک بھڑ کے چھتے کو چھیڑا ہے، ان کو کڑوی دوائیں پلائی ہیں، جن کو مذہب سے
[illegible] ایک گروہ نے صدیق کہا ہے اور دوسرے نے زندیق خطاب دیا ہے۔" ؎۱

سر سید احمد خاں صاحب نے حکومت کے اشارے پر لقمۂ تر کی خاطر ساری امت محمدیہ
[illegible] اسلام دشمنی اور انگریز دوستی کے موڑ پر لا کر قرآن کریم کی تفسیر لکھی۔ بظاہر مسلمانوں
کے خیر خواہ بنتے تھے لیکن مقصود ان کے دین و ایمان پر ڈاکہ ڈالنا تھا۔ اس تفسیر میں دل کھول کر
معنوی تحریف کی تاکہ اصل قرآنی مفہوم و مطالب سے لوگوں کی توجہ ہٹا دی جائے اور انہیں مسلم
[illegible] جائے۔ ان کے حریم دین و ایمان میں آگ لگانے کی خاطر خیر سے مفسر قرآن بن
بیٹھے۔ اس رسوائے زمانہ تفسیر کے بارے میں حالی صاحب نے یوں [illegible]

"الحمد للہ اس حق گو تفسیر کی بدولت ان روحانی مہلک بیماریوں سے آج
[illegible] مسلمانوں کے پاک دلوں میں وہ گندی گندی آئیں جمی ہوئی تھیں جیسے کعبے
کے بتان۔ اب ان کا ایک بیک دور ہونا خدا کے مقدس کلام کی سچی تفسیر کا
نتیجہ ہے۔ ہم اس احسان کے بدلے اپنی کھال کی جوتیاں بنا دیں تو بھی اس تفسیر
کے ایک فقرے کا معاوضہ نہ ہو گا۔" ؎۲

سر سید احمد خاں صاحب کا عقیدہ تھا اور مسلمانوں کو یہی تاثر دیتے رہے کہ
[illegible] تحریف قطعاً نہیں ہوئی ہے بلکہ وہ بھی قرآن مجید کی طرح [illegible]
اور اس کے اندر صرف معنوی تحریف ہوئی ہے۔ قرآن کریم کی صریحاً تکذیب اور [illegible]
عیسائیت کی جانب مائل کرنے کا وہ زبردست اقدام ہے جو متحدہ ہندوستان کے کسی
ایمان کے رہزن اور اسلام و مسلمین کے بڑے سے بڑے بدخواہ سے نہ ہو سکا بلکہ نہ
[illegible] گئے پادری صاحبان بھی اس کے عشر عشیر کو نہ پہنچ سکے۔ انجیل وغیرہ محرف ماننے کی
صورت میں قرآن کریم کا آسمانی کتاب ہونا خود غلط ہو کر رہ جاتا ہے کیونکہ اگر ایک سچا
اصل صورت میں موجود ہو تو دوسری کی ضرورت کہاں ہوتی ہے؟ اس سلسلے میں موصوف
کے سوانح نگار نے یوں تصریح کی ہے!

؎۱ حیات جاوید، مصنفہ حالی پانی پتی، ص ۱۵۰، ؎۲ ایضاً، ص ۵۰

نیز محققین اور اکابر اسلام مثل امام اسمٰعیل بخاری، امام فخرالدین رازی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی وغیرہم کے اقوال سے یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ جس طرح عیسائی کتب مقدسہ میں تحریف لفظی کے قائل نہیں ہیں اور جس قسم کی تحریف کو عیسائی محققوں نے تسلیم کیا ہے صرف اسی قسم کی تحریف آیات قرآنی اور احادیث نبوی سے کتب مقدسہ میں پائی جاتی ہے۔[1]

موصوف نے انجیل کی تفسیر بھی لکھی تھی اور اس میں انگریز پرستی میں سرشار ہو کر عیسائیوں سے کہا تھا۔

"یقیناً میں بائبل کا اتنا ہی طرف دار اور شیدا ہوں جتنا کہ آپ ہیں۔ میرا مقصد یہ ہے کہ میں ڈاکٹر کلنزو کے اعتراضات کا اپنی تفسیر کے مناسب حصوں میں، جب اُن کا موقع آئے، جواب دوں۔"[2]

گویا کروڑوں روپیہ خرچ کر کے حکومت جو مقصد سینکڑوں پادریوں کے ذریعے حاصل نہ کر سکی وہ چند سکوں کے بدلے سر سید اینڈ کمپنی کے مسلم نما پادریوں کے ذریعے بڑی آسانی اور پوری رازداری سے حاصل ہونے لگ گیا تھا۔ چنانچہ بائیبل کی علی گڑھی تفسیر کے بارے میں اپنے غیر اسلامی خیالات کا اظہار کرتے ہوئے جناب حالی پانی پتی نے مسلمانان پاک و ہند کو مسلم نما عیسائی بنانے اور حکومت کی خوشنودی کا سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کی خاطر یہ مضحکہ خیز اور تعجب انگیز بیان دیا تھا۔

"یہ تفسیر جو انجیل کو بجائے لغو سمجھنے کے، جیسا کہ اب تک خیال تھا، واجب التعظیم بیان کرتی ہے اور اس کا ثبوت خود قرآن سے دیتی ہے، اس قابل ہے کہ اس کا ترجمہ مسلمانوں کی ہر زبان اور بالخصوص عربی میں ہو کیونکہ مسلمانوں کے واسطے اس سے زیادہ مفید بات اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ وہ انجیل کو اسی عزت کی نگاہ سے دیکھنے لگ جائیں جس سے وہ قرآن کو دیکھتے ہیں۔"[3]

سر سید احمد خان صاحب کے اسلام دشمنی اور برٹش نوازی نے نظریہ پاکستان کو پنجاب کے سوا پورے متحدہ ہندوستان کے ہر صوبے میں نگاہ حقارت سے دیکھا گیا اور ٹھکرا دیا گیا تھا

[1] حیات جاوید، مصنفہ حالی پانی پتی، ص ۱۶۸

[2] ایضاً، ص ۱۷۲ [3] ایضاً، ص ۱۷۲

کیونکہ وہ مکمل طور پر اسلام دشمنی اور انگریز پرستی کے آئینہ دار تھے۔ یہ تحریف دین اور اسلام دشمنی کا ایسا شرمناک ڈرامہ تھا جس کی نظیر پہلے ملک کے اندر دیکھنے میں آئی نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے اہلسنت کے علاوہ وہابی علماء نے بھی موصوف کے خیالات کی تردید کی اور اُن سے اظہار برأت کیے بغیر نہ رہ سکے۔ کتنے ہی علماء نے موصوف کے غیر اسلامی عقائد و نظریات کے باعث ان کی تکفیر میں فتوے جاری کیے۔ حالات کی یہ ستم ظریفی ہے کہ آج تک برٹش نواز طبقہ یہ کہہ کر مسلمانوں کی آنکھوں میں دُھول جھونکتا آ رہا ہے کہ سر سید احمد خان صاحب پر انگریزی زبان کی حمایت کرنے اور علی گڑھ کالج قائم کرنے کی بنا پر کفر کے فتوے لگائے گئے تھے حالانکہ ایسا ایک بھی فتویٰ نہیں دکھایا جا سکتا جو اس کے باعث موصوف کی تکفیر میں جاری کیا گیا ہو۔ دیوبندی جماعت کے مقتدر عالم، مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے اپنے کسی معتقد کے بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

"ایک صاحب نے عرض کیا کہ سر سید کی وجہ سے ہندوستان میں گڑبڑ پھیلی لوگوں کے عقائد خراب ہوئے۔ فرمایا گڑبڑ کیا معنی اس شخص کی وجہ سے ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کے ایمان تباہ و برباد ہو گئے۔ ایک بڑا گمراہی کا پھاٹک کھل گیا۔ اس کے اثر سے اکثر نیچری ایمان سے کورے ہوتے ہیں۔"[1]

دوسرے کسی موقع پر موصوف نے نیچریت کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار ان لفظوں میں کیا تھا:

"ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ سر سید احمد خاں کی وجہ سے بڑی گمراہی پھیلی۔ یہ نیچریت زینہ ہے اور جڑ ہے الحاد کی۔ اس کی پھر شاخیں چلی ہیں۔ یہ قادیانی اسی نیچریت ہی کا اول شکار ہوا۔ آخر یہاں تک نوبت پہنچی کہ استاد یعنی سر سید احمد خاں سے بازی لے گیا اور نبوت کا مدعی بن بیٹھا۔"[2]

مدرسہ دیوبند کے سابق صدر، علامہ انور شاہ کشمیری (المتوفی ۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۴ء) نے بانی نیچریت کے متعلق لکھا ہے:

[1] الافاضات الیومیہ، جلد پنجم، ص ۸۴ [2] الافاضات الیومیہ، جلد پنجم، ص ۱۰۶

سر سید ھو رجل زندیق او جاھل ضال [1]

سر سید زندیق یعنی ملحد آدمی ہے یا جاہل اور گمراہ ہے۔

دوسرا راستہ

انگریز بخوبی جانتے تھے کہ سر سید احمد خاں اور ان کے حواریوں کے ذریعے مغربی نظامِ تعلیم رائج کرنے میں تو خاطر خواہ مدد ملی ہے اور ان لوگوں کی وساطت سے سکولوں اور کالجوں کے نصاب میں غیر اسلامی عقائد و نظریات شامل کر دیئے گئے ہیں جن کے ذریعے نئی نسل کا ایمان تباہ و برباد ہوتا ہے لیکن علمائے اسلام سے وابستہ رہنے والے مسلمان کبھی ان لوگوں کے آگے گھاس ڈالنے کو تیار نہیں ہوں گے۔ لہٰذا برٹش گورنمنٹ کو مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے اور مقدس شجرِ اسلام میں غیر اسلامی عقائد و نظریات کی قلمیں لگوانے کی خاطر با اثر علماء کی ضرورت تھی۔ چنانچہ فرنگی شاطر نے ایسے بعض صاحبانِ جبہ و دستار خرید لیے اور ان کے ذریعے دہلی کالج سے مولوی مملوک العلی نانوتوی (المتوفی ۱۲۶۷ھ / ۱۸۵۱ء) کی سرکردگی میں مطلوبہ علماء کی کھیپ تیار کروائی گئی۔ ان حضرات کے ذریعے تخریبِ دین اور افتراق بین المسلمین کا کام ایسی تنذہی سے لیا گیا کہ شیطان بھی عش عش کر اٹھا ہوگا۔ ہم نے ایسے تخریب کار علماء کے حقیقی خد و خال دکھانے کی خاطر معارفِ رضا جلد اول میں اتنا ٹھوس اور وافر تاریخی مواد جمع کر دیا ہے کہ دوسری کسی تصنیف میں شاید آج تک نظر نہ آیا ہوگا۔

یہاں ان چند اکابرِ دیوبند کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے برٹش گورنمنٹ کے اشارۂ چشم و ابرو اور اس کے وظیفوں نذرانوں کے طفیل مقدس شجرِ اسلام میں پوری دیدہ دلیری سے غیر اسلامی عقائد و نظریات کی قلمیں لگائیں اور امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء) کو اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے پیشِ نظر جن کی تکفیر کا شرعی فریضہ ادا کرنا پڑا۔ اسی المیہ کے بارے میں مدرسہ دیوبند کے ناظم تعلیمات مولوی مرتضیٰ حسن دربھنگی (المتوفی ۱۳۷۱ھ / ۱۹۵۱ء) نے صاف لکھ دیا تھا:

اگر خاں صاحب (فاضلِ بریلوی) کے نزدیک بعض علماءِ دیوبند واقعی ایسے تھے جیسا کہ انہوں نے انہیں سمجھا تو خاں صاحب پر ان علماءِ دیوبند کی تکفیر فرض تھی۔ اگر

[1] تمیزۃ البیان بمشکلات القرآن: ص ۳۲۰

وہ ان کو کافر نہ کہتے تو خود کافر ہو جاتے ..... کیونکہ جو کافر کو کافر نہ کہے وہ خود کافر ہے۔ [2]

مرزا غلام احمد قادیانی (المتوفی ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء) انیسویں صدی کے آخر میں بہکے بہکے بیانات دے رہے تھے۔ کبھی مہدی ہونے کا دعویٰ کرتے، کبھی بتاتے کہ میں کرشن ہوں۔ کبھی حیاتِ مسیح کا انکار کر کے ان کی قبر کشمیر میں بتاتے اور کبھی مسیحِ موعود اور محدث وغیرہ بنتے رہے۔ علمائے اسلام تردید کرتے رہے اور سمجھے کہ شاید اس شخص کا دماغ خراب ہو گیا ہے لیکن برطانوی شرارت کا راز اس وقت کھلا جب انہوں نے صاف لفظوں میں ۱۹۰۱ء کے اندر کھل کر نبوت کا دعویٰ کر دیا۔

مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی (المتوفی ۱۲۹۷ھ / ۱۸۷۹ء) نے مرزا صاحب سے پہلے دعویٰ نبوت کی جانب راستہ بنانا شروع کیا تھا اور اس مقصد کے لیے ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۲ء میں تحذیر الناس کے نام سے ایک کتاب لکھ کر مسلمانوں کو یوں بہکانا شروع کیا کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلحاظ زمانہ آخری نبی ماننا جاہلوں کا خیال ہے قرآن کریم کا انکار ہے۔ ساتھ ہی تصریح کر دی کہ حضور زمانے کے لحاظ سے نہیں بلکہ مرتبے کے لحاظ سے خاتم النبیین ہیں یعنی یہ نہیں کہ آپ سب سے آخر میں آئے ہیں بلکہ آپ کا رتبہ سب سے آخری یعنی بلند و بالا ہے اور اسے خاتمیت قرار دیتے ہوئے صاف لکھ دیا کہ حضور کے بعد اگر ہزاروں نبی اور بھی پیدا ہو جائیں تب بھی خاتمیتِ محمدی میں کوئی فرق نہیں آئے گا اور موصوف نے ساتھ ہی یہ اعتراف بھی کر لیا کہ آج تک کسی بڑی سے بڑی ہستی کا ذہن خاتمیت کے حقیقی معنی تک پہنچا ہی نہیں تھا یعنی حقیقی مفہوم تک آج تیرہ صدیاں گزرنے کے بعد رسائی ہوئی ہے اور وہ بھی صرف مولوی محمد قاسم نانوتوی کی، جنہوں نے برٹش گورنمنٹ کی نگاہِ لطف و کرم سے تحذیر الناس لکھ کر ٹھکانے پہ تیر مار دیا ہے۔

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی (المتوفی ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء) نے اپنے ایک مُہری و دستخطی فتویٰ میں اللہ جل شانہ کو کاذب بالفعل ٹھہرا دیا۔ ان کا یہ فتویٰ ۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۰ء میں میرٹھ سے شائع ہوا۔ ملک کے گوشے گوشے سے اس شرمناک اور صریح کفریہ فتوے کا رد شائع ہوتا رہا لیکن مرتے دم تک گنگوہی صاحب نے پندرہ سالوں میں اس فتوے کی نسبت سے انکار نہیں کیا

[2] اشد العذاب، مصنفہ مولوی مرتضیٰ حسن دربھنگی، ص ۱۳

اور نہ اس کی کوئی تاویل و توجیہہ ہی پیش کر سکے۔ جب پندرہ سال بعد ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء میں گنگوہی صاحب اس جہانِ فانی سے عالمِ جاودانی کی جانب سدھار گئے تو موصوف کے معتقدین و متوسلین علمائے دیوبند نے شور مچانا شروع کر دیا کہ یہ تو ہمارے حضرت قطب الاقطاب اور امام ربانی صاحب پر تہمت ہے۔ ہمارے گنگوہی صاحب نے ہرگز ایسا کوئی فتویٰ نہیں دیا اور نہ کسی جگہ سے شائع کروایا۔ جب ان مناظرین سے کہا گیا کہ یہی بات آپ نے مذکورہ پندرہ سالوں کے اندر گنگوہی صاحب کے جیتے جی کیوں نہ کہی تو فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ کا منظر سامنے آجاتا ہے۔

مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی (المتوفی ۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۶ء) کی رسوائے زمانہ کتاب براہینِ قاطعہ پہلی مرتبہ ۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۷ء میں شائع ہوئی۔ موصوف نے محیطِ زمین کا علم شیطان اور ملک الموت کے لیے نصوص سے ثابت مان کر ایمان کی آنکھ پر یوں ٹھیکری رکھ دی کہ اُسی علم کو سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ماننا اور ثابت کرنا ایسا شرک ٹھہرا دیا جس میں ایمان کا کوئی حصہ نہیں۔ اس عبارت کے مفاد سے دو شقیں سامنے آتی ہیں:

۱۔ اگر محیطِ زمین کا علم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ثابت کرنا واقعی شرک ہے تو لازم آئے گا کہ شیطان اور ملک الموت کو خدا نے خود اپنا شریک بنا لیا ہے اور یہ ماننا بھی لازم آئے گا کہ قرآن و حدیث بھی شرک کی تعلیم دیتے ہیں۔

۲۔ انبیٹھوی صاحب کے نزدیک قرآن و حدیث اگر شرک کی تعلیم نہیں دیتے نیز شیطان اور ملک الموت کو بھی وُہ خُدا کے شریک نہ سمجھتے ہوں تو جو چیز قرآن و حدیث سے مخلوق کے ایک فرد کے لیے بھی ثابت ہے وُہ دوسرے فرد کے لیے ثابت کرنا ہرگز شرک نہیں ہو سکتا، یہ الگ بات ہے کہ وُہ چیز اُس دوسرے فرد کے لیے نصوص سے ثابت ہے یا نہیں، لیکن دریں حالات شرک کیسا؟ ——— غرضیکہ کسی بھی شق پر محمول کیا جائے، ہر صورت میں انبیٹھوی صاحب کی وُہ عبارت صریح کفر ہے۔

مولوی اشرف علی صاحب تھانوی (المتوفی ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء) کی حفظ الایمان پہلی دفعہ ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء میں منظرِ عام پر آئی۔ یعنی جس سال مرزا غلام احمد قادیانی کھُل کر نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں اُسی سال دیوبندی حضرات کے مجدّدِ دین و ملت نے شانِ رسالت میں یہ کھلی گالی

شائع کروائی۔ موصوف سے کسی نے پوچھا کہ زید فلاں دلائل کے تحت خُدا کے سوا دوسروں پر بھی لفظ عالم الغیب کے اطلاق کو جائز بتاتا ہے واضح کیا جائے کہ زید کے عمل اور عقیدے کا حکم کیا ہے؟ تھانوی صاحب نے اس عمل اور عقیدے کا شرعی حکم بتلاتے ہوئے کہا کہ اگر ایسا عقیدہ کل غیب کی وجہ سے رکھا جاتا ہے تو اس کا بطلان دلیل عقلی و نقلی سے ثابت ہے اور اگر بعض علم غیب کی وجہ سے یہ عقیدہ ہے تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے؟ ایسا علم غیب تو ہر صبی و مجنوں بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کو بھی حاصل ہے۔"

یہ ہے تھانوی صاحب کی عبارت کا آسان لفظوں میں مفہوم جو یقیناً شانِ رسالت کی ایسی گستاخی اور اہانت پر مبنی ہے جس کی جرأت کبھی کھُلے کافروں کو بھی نہیں ہوئی تھی۔ یہ دیوبندی حضرات ہی کا دل گردہ ہے کہ جب اُن کے بعض علماء نے اللہ اور رسُول کی شان میں گندے عقیدے اور توہین آمیز کلمات جاری کیے تو انہوں نے اللہ اور رسُول کا ساتھ چھوڑ کر اپنے علماء کا ساتھ دینا ضروری سمجھا۔ یہی تو شرک کا وُہ انتہائی درجہ ہے جسے قرآن کریم نے اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ کے لفظوں میں بیان کیا ہے۔ اسی شرک و کفر کے سمندر میں پڑے رہنے کے باعث ان حضرات کو خالص مسلمان بھی مشرک نظر آتے ہیں۔

قارئین کرام کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ان کفریات کی ابتداء مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند نے ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۲ء میں تحذیر الناس نامی کتاب لکھ کر کی جبکہ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان پانچوں حضرات کی تکفیر کا شرعی فریضہ ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء میں المعتمد المستند کے اندر ادا کیا۔ جائے غور ہے کہ کیا سمجھانے بجھانے، خوفِ خُدا اور خطرۂ روزِ جزا یاد دلانے کے لیے یہ تیس سال کی مدت کافی نہیں تھی؟ اس دوران میں علمائے اہلسنت اور دیوبندی علماء کے درمیان متعدد مناظرے ہوئے۔ طرفین سے سینکڑوں کتابیں ان کفریات کے باعث لکھی گئیں، لیکن اللہ اور رسُول کے اُن دشنامیوں نے پرنالہ اُسی جگہ رکھا اور کفریات لکھنے اور شائع کروانے والے چاروں اکابر دیوبند میں سے کسی ایک کو بھی یہ توفیق نہ ہوئی کہ کسی سُنّی عالم کے سامنے ایک دفعہ ہی میدانِ مناظرہ میں آنے کی جرأت کرتا اور اپنی خرافات کی تاویل و توجیہہ پیش کرنے کی جرأت کرتا۔ انہیں ذرا بھی اسلامی ثابت کرنے کی گنجائش نظر آتی تو ضرور سامنے آتے لیکن ستم بالائے ستم تو یہ کہ انھیں بدل کر اسلامی بنانے پر بھی اُن میں سے کوئی آمادہ نہ ہُوا۔

ان حضرات کے راہ راست پر آنے، کفریات سے توبہ کرنے کی جب کوئی امید نظر نہ آئی تو ۱۳۲۰ھ میں ان کی تکفیر کا شرعی فریضہ ادا کیا گیا اور اس کے تین سال بعد ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء میں امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی بارگاہ بیکس پناہ میں بلایا کہ دشنامیوں کے سرگروہ مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی کی موجودگی میں حرمین شریفین کی مقدس سرزمین پر حق و باطل کا فیصلہ ہو جائے۔ چنانچہ علمائے حرمین طیبین نے فاضل بریلوی کے فتوے سے اتفاق کرتے ہوئے اس پر دھوم دھام سے تقریظیں لکھیں جن کے مجموعے کا نام حسام الحرمین ہے نیز آپ نے مکہ مکرمہ میں اس موقع پر الدولۃ المکیہ اور کفل الفقیہ کے نام سے کتابیں لکھیں انھیں بھی اپنی تقاریظ سے مزین کیا۔

علمائے حرمین شریفین نے مجدد مائۃ حاضرہ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی جلالت و وسعت کو دیکھ کر ایسا اعزاز و اکرام کیا کہ اس مقدس سرزمین پر متحدہ ہندوستان کے کسی بزرگ کو شاید ہی نصیب ہوا ہو۔ انہوں نے آپ سے سندیں اور اجازتیں لیں جن میں سے بعض الاجازات المتینہ میں موجود ہیں۔ ان علمائے حرمین نے ایک جانب امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تائید و تصدیق کی اور انہیں مرجع خلائق، مرکز دائرہ تحقیق، بحر العلوم، امام زمانہ، یگانۂ روزگار اور چودھویں صدی کا مجدد قرار دیا تو دوسری جانب اُن پانچوں حضرات کو لصوص دین، دائرہ اسلام سے خارج اور کافر و مرتد قرار دیا۔ ساتھ ہی بتا دیا کہ جو ان کے کفریات پر مطلع ہو کر ان کے غیر مسلم ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر و مرتد ہو جائے گا۔ یہ فیصلہ اُس مقدس سرزمین پر سرخیل مبتدعین مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی کی موجودگی میں ہوا اور موصوف کو اس فیصلے کے خلاف بولنے، ایک لفظ بھی کہنے کی جرأت نہیں ہوئی کیونکہ ان عبارتوں کے اندر اسلامی مفہوم و معانی کی رمق تک بھی نہیں ہے جس کے باعث بولنے اور زبان کھولنے کی جرأت کرتے۔

علمائے حرمین کی تقاریظ کا مجموعہ حسام الحرمین کے نام سے ۱۳۲۴ھ میں اردو ترجمے کے ساتھ اور ۱۳۲۶ھ میں تمہید ایمان سمیت منظر عام پر جلوہ گر ہو گیا۔ حرمین شریفین میں تو شرعی فیصلہ کو تاریخی روسیاہی کے باعث راہ فرار اختیار کرنی پڑی تھی لیکن جہلا کو ورغلانے اور اندھے مقلدوں کو بھاری وزن دکھانے کی خاطر مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی نے گھر میں بیٹھ کر المہند

گھسنے کی چال چلی تو صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۶۸ھ / ۱۹۴۸ء) نے التحقیقات لدفع التلبیسات نامی رسالے کے ذریعے المہند کی ساری جعلسازی کا بھانڈا بازار پھوڑ دیا۔

مدرسہ دیوبند کے سابق گاندھوی صدر مولوی حسین احمد صاحب ٹانڈوی نے الشہاب الثاقب کے نام سے حسام الحرمین کا جواب لکھا اور اس میں شانِ تحقیق یہ دکھائی کہ گالیوں کا بین الاقوامی ریکارڈ قائم کر دکھایا۔ شاید دنیا کی کسی کتاب میں اتنی گالیاں نہ ہوں جتنی موصوف کے اس شہکار میں ہیں۔ مفتی محمد اجمل شاہ سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۴ء) نے الشہاب الثاقب کا انتہائی مدلل اور تحقیقی رد لکھا اور ٹانڈوی صاحب کے عائد کردہ الزامات کی پوری طرح قلعی کھول کر رکھ دی۔ واضح ہو گیا کہ ان عبارتوں میں اگر ذرا بھی اسلامی پہلو ہوتا تو علمائے دیوبند صفائی میں غلط اور نامعقول راستے اختیار نہ کرتے۔

حقیقت تک پہنچنے کا زینہ

ذیل میں ہم قارئین کے سامنے چند ایسے حقائق پیش کرتے ہیں جن کی روشنی میں ہر انصاف پسند اور غیر جانبدار کو معاملے کی تہ تک پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں رہے گی اور حقیقت اپنے اصل رنگ و روپ میں اس کے سامنے آموجود ہوگی۔ دیوبندی حضرات بھی اگر تھوڑی سی دیر کے لیے انصاف کی عینک لگا کر ٹھنڈے دل و دماغ سے ان حقائق پر غور کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ حق و باطل انھیں واضح طور پر نظر نہ آجائیں۔
واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔ ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

پہلا نکتہ

اگر مذکورہ کفریہ عبارتیں لکھنے والے اکابر دیوبند میں دین و دیانت کا کوئی شائبہ باقی رہ گیا ہوتا اور حکومت کی شہ پر انہوں نے تخریب دین وافتراق بین المسلمین کا اختیار کر لیا ہوتا تو جب علمائے اسلام نے ان عبارتوں پر اعتراضات کیے تھے تو آپسی اصلاح مشورے سے ان عبارتوں کو اس طرح بدل دیتے کہ ان میں قابل اعتراض پہلو نہ رہتا اور انہیں پوری طرح اسلامی عبارتیں بنا دیا جاتا۔ آخر ایسا کرنے میں رکاوٹ کیا تھی؟ جب

ان عبارتوں کے لکھنے والوں نے ہرگز ایسا نہیں کیا بلکہ دورانہ تاویلات کے ذریعے
انہیں اسلامی منوانے پر مُصر رہے اور پورے ملک کے علمائے کرام کی صدائے احتجاج کو کمال دیدہ
دلیری سے ٹھکراتے رہے۔ اپنی ہی چند عبارتوں کو وحی الٰہی کا درجہ دے لینا اور رفع فساد کی خاطر
ان میں ترمیم نہ کرنا بلکہ جھگڑنے کے لیے ہر وقت تیار رہنا، بھلا مسلمانوں کے خرمنِ اتحاد میں
یں اس طرح آگ لگانے کو کہاں تک دانشمندی اور دیانت داری کہا جاسکتا ہے؟

دوسرا نکتہ علمائے دیوبند اپنی کسی عبارت کو تبدیل کرنے اسلامی عبارت بنانے پر
عمر بھر آمادہ نہ ہوئے، حالانکہ خود یا باہمی صلاح مشورے سے وہ ایسا کر لیتے تو اُن حضرات کی
سلگائی ہوئی آگ جو مسلمانوں کے خرمنِ اتحاد کو آج تک جلا رہی ہے، بھائی کو بھائی سے لڑا
رہی ہے، یہ اُسی وقت بجھ جاتی۔ ملتِ اسلامیہ چاروں حضرات سے کہہ رہی تھی: اَلَیْسَ مِنْکُمْ
رَجُلٌ رَّشِیْدٌ؟ لیکن وہاں رشد و ہدایت کا صرف نام ہی رہ گیا تھا۔ جب چاروں میں سے ایک نے
بھی اپنی عبارت نہ بدلی تو اس کے سوا اور کیا سمجھا جائے کہ یہ حضرات حکومت کے وظیفوں اور
نذرانوں کے باعث اس مقام پر پہنچ گئے تھے جہاں خود ان کی مرضی کا دخل بھی نہیں رہا تھا
اور وہ حضرات اس درجہ بِک گئے کہ چوں قلم در دست کاتب ہو گئے تھے۔

تیسرا نکتہ اگر اکابر دیوبند اپنی کفریہ عبارتوں میں خود یا باہمی صلاح مشورے سے تبدیلی کر
لیتے اور اس کے بعد بھی ان کے مخالفین ان کی تردید کا سلسلہ جاری رکھتے تو واضح ہو جاتا کہ فریق
ثانی کی نیت میں کھوٹ ہے اور وہ کسی کی شہ پر انہیں طعن و تشنیع اور رد و تردید کا نشانہ بنائے
رکھنے پر مجبور ہے۔ وہاں تک تو نوبت ہی نہیں پہنچی کیونکہ ہزاروں علمائے اہلسنت کا یہی مطالبہ
تھا کہ ان کفریہ عبارتوں کو بدل کر اسلامی بنا لیجیے۔ ایسا کر لینے میں خود اُن کا اور ساری ملتِ اسلامیہ
کا بھلا تھا لیکن اکابر دیوبند نے ان کی آواز پر کان نہ دھرے بلکہ اپنے خیر خواہوں یعنی سمجھانے
والوں سے ہمیشہ برسرِ پیکار ہی رہے حالانکہ ازراہِ خیر خواہی وہ حضرات تو سمجھا رہے تھے
جھگڑ تو نہیں رہے تھے۔ اس کے باوجود معلوم نہیں اکابر دیوبند کو جھگڑنے اور فتنہ و فساد کا راستہ

اختیار کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی؟

چوتھا نکتہ گنگوہی صاحب جو چاروں اکابر دیوبند میں سرخیل اور پوری دیوبندی فوج
کے قافلہ سالار لشکر تھے، ان کا ذکر بہ کذبِ باری تعالیٰ کے متعلق مہری دستخطی فتوی ۱۳۰۸ھ میں
میرٹھ شہر سے شائع ہوا۔ اُسی وقت سے علمائے اسلام نے اس کے متواتر رد شائع کروائے جو
گنگوہی صاحب اور دیگر علمائے دیوبند تک پہنچتے رہے۔ گنگوہی صاحب نے زبان و قلم سے اُس
فتوے کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہا کہ فتوی میرا نہیں ہے اور نہ ان کے متبعین میں سے کوئی بولا۔
جب پورے پندرہ سال کے بعد ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء میں گنگوہی صاحب ملکِ عدم کو سدھار گئے،
شہر خموشاں کے مکین جا ہوئے تو علمائے دیوبند کی زبانیں کھل گئیں اور دیوبندی مناظروں نے شور
مچانا شروع کر دیا کہ وہ فتویٰ ہمارے گنگوہی صاحب کا کب ہے؟ یہ تو ہمارے گنگوہی سرکار اور
پر بہتان ہے۔ کیا اس حیاداری اور دیانت داری کا کوئی ٹھکانا ہے؟

سور داسوں کا لگ گیا اُن کو دن بھی رات ہے
جان کر بنتے ہیں گنگوہی یہ کیسی بات ہے

پانچواں نکتہ نانوتوی صاحب تو ۱۲۹۷ھ / ۱۸۷۹ء میں ہی شہر خموشاں کے مکیں ہو
چکے تھے۔ گنگوہی صاحب بھی ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء کے وسط میں ملک عدم کی جانب سدھار
گئے کیونکہ ان کی تکفیر کا پروانہ علمائے حرمین شریفین کی تقاریظ سے مزیّن ہونے والا تھا۔ بہرحال
چاروں میں سے پیچھے دو حضرات بقیدِ حیات رہ گئے تھے جنہیں کافر و مرتد قرار دیا گیا تھا:

۱۔ مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی جن کا ۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۶ء میں وصال ہوا۔

۲۔ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی جنہوں نے ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء میں رحلت کی۔

جائے غور ہے کہ مذکورہ فتویٰ تکفیر پر علمائے حرمین طیبین نے ۱۳۲۳ھ کے آخر اور ۱۳۲۴ھ
کے شروع میں تقاریظ لکھیں۔ انبیٹھوی صاحب ان تقاریظ کے بعد بائیس سال اور تھانوی صاحب
انتالیس سال بقیدِ حیات رہے۔ اس طویل عرصے میں جہاں ان حضرات نے سینکڑوں ہیرا پھیریاں

ہیں اور ہر ممکن طریقے سے فتنہ و فساد کی آگ بھڑکائی وہاں ان حضرات کے لیے کیا یہ صاف اور سیدھا
راستہ نہیں تھا کہ دونوں حضرات یا دونوں میں سے ایک ہی حرمین شریفین چلا جاتا اور بقول علمائے دیوبند اگر:

۱۔ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اکابر دیوبند کی عبارتوں میں قطع و برید کی تھی۔

۲۔ یا علمائے حرمین کو کسی قسم کا دھوکہ دیا تھا۔

۳۔ یا علمائے دیوبند کی اُن عبارتوں کو من مانے مفہوم و مطالب کا لباس پہنایا تھا۔

تو یہ حضرات علمائے حرمین کے سامنے اس دھوکے کی اچھی طرح وضاحت کرتے اور انہیں
حقیقت سے مطلع کر کے حقیقت پر مبنی ان کے بیانات حاصل کرتے تاکہ وہ حضرات صاف وضاحت
کر دیتے کہ ہمیں مولوی احمد رضا خاں نے دھوکے میں رکھا اور یہ مغالطے دیئے جن کے باعث ہم اس
کے فتوے کی تائید و تصدیق کر بیٹھے تھے۔ ہمیں اب فلاں عالم نے اصل صورت حال سے مطلع کیا
ہے لہٰذا ہمارے سابقہ بیانات اور جملہ تقاریظ کو منسوخ شمار کیا جائے۔ اگر حقیقت حسام الحرمین کے
ذرا بھی خلاف ہوتی تو یہ دونوں اکابر دیوبند کبھی خاموش نہ بیٹھتے، ہرگز اپنی گردن تیغ تکفیر سے نہ کٹنے
دیتے اور تصدیق کرنے والے علمائے حرمین سے ضرور بیانات تحریری وصول کرتے۔ لیکن جب
صورت حال یہ سامنے آئی دونوں حضرات ساری عمر میں بھی تصدیق کرنے والے کسی ایک کی یا مدنی
عالم سے ایسا بیان حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے تو اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ
امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ پر علمائے دیوبند کا الزام لگانا کہ انہوں نے اکابر دیوبند کی عبارتوں
میں قطع و برید کی یا انہیں من مانے مفہوم و مطالب کا لباس پہنایا یا علمائے حرمین کو کسی طرح کا
دھوکا دیا یہ محض اپنا بھرم رکھنے کے لیے بے بنیاد الزامات لگائے ہیں جن کے بارے میں ہر
منصف مزاج اور غیر جانبدار شخص بھی کہے گا کہ ان الزامات کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ
نہیں اور یہ دین و دیانت سے بعید ہونے کے ساتھ معاندانہ روش کی المناک اور بھونڈی تصویر ہے۔

چھٹا نکتہ

جب علمائے حرمین شریفین فتویٰ تکفیر پر دھوم دھام سے تقریظیں لکھ رہے
تھے اور مجدد مائۃ حاضرہ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا اس مقدس سرزمین میں عدیم النظیر
اعزاز و اکرام کیا جا رہا تھا تو اس وقت کے دیوبندی بیڑے کے ناخدا یعنی مولوی خلیل احمد صاحب

انبیٹھوی وہاں بنفس نفیس موجود تھے۔ اگر دھوکہ بازی اور قطع و برید والا ذرا سا معاملہ بھی ہوتا تو ضرور
انبیٹھوی صاحب کی وضاحت کے خوف سے دھوکہ دیتے ہی فاضل بریلوی کو فوراً بھاگ آنا چاہیے
تھا کیونکہ چور کے پیر نہیں ہوتے۔ دنیا نے دیکھا کہ امام احمد رضا خاں بریلوی تو مکہ مکرمہ کے اہل علم میں
۲۴ صفر المظفر ۱۳۲۴ھ تک یوں جلوہ افروز رہے جیسے چودھویں کا چاند تاروں کے جھرمٹ میں
اور مکہ مکرمہ سے جدہ پہنچنے کا اُن رات تکلف فرمایا مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی نے۔ کیا
کسی منصف مزاج کو حقیقت تک پہنچنے کے لیے اس کے سوا کسی اور دلیل کی ضرورت ہے؟

ساتواں نکتہ

اس واقعے کے بعد انبیٹھوی صاحب نے اپنی بقیہ بائیس ۲۲ سالہ اور
تھانوی صاحب نے انتالیس ۳۹ سالہ زندگی میں ایک مرتبہ بھی ایسی جرأت نہیں کی تعدیق کرنے والے
علمائے حرمین طیبین کی خدمت میں حاضر ہو کر بتاتے کہ جس انبیٹھوی اور تھانوی عالم کی آپ
حضرات نے تکفیر کی ہے، وہ ہم ہیں اور ہمیں از روئے دلائل آپ کے [illegible]

آٹھواں نکتہ

اگر فاضل بریلوی نے کسی قسم کی دھوکہ بازی یا عبارات میں قطع و برید کی تھی
تو جس وقت علمائے حرمین ان کی تصدیق و تائید کرنے کے ساتھ سابقہ فتویٰ تکفیر پر دھوم دھام
سے تقاریظ لکھ رہے تھے اور علمائے دیوبند کے بقول یہ سب کچھ دھوکے میں
ہو رہا تھا اس سے بہتر موقع زندگی میں اور کب آ سکتا تھا کہ اسی وقت مولوی خلیل احمد صاحب
انبیٹھوی پردے سے نکل کر سامنے آ جاتے۔ علمائے حرمین کو صورت حال اور اس حقیقت سے
مطلع کرتے جو ان کے نزدیک تھی۔ اگر یہیں مرحلے پر وہ امام احمد رضا خاں بریلوی کا ایک دھوکا
کسی عبارت میں ایک بھی قطع و برید بالمقابل ثابت کر دیتے تو یقیناً فاضل بریلوی اس مقدس
سرزمین میں اور اپنے وطن کے اندر زندگی بھر کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتے جب انبیٹھوی
صاحب نے ایسا نہ کیا تو ہر منصف مزاج اسی نتیجے پر پہنچے گا کہ دھوکا دینے اور قطع و برید
کے الزامات قطعاً بے بنیاد ہیں یعنی۔

حافظ بخود نپوشید ایں جامۂ آلود
اے شیخ پاک دامن معذور دار ما را

نواں نکتہ مولوی خلیل احمد صاحب انبٹھوی نے اسی دوران سابق مفتیٔ احناف قاضیٔ مکہ مکرمہ یعنی علامہ شیخ صالح کمال مکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۶ء) سے ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو خفیہ ملاقات کی۔ ملاقات کیوں کی؟ نتیجہ کیا برآمد ہوا؟ یہ سب کچھ اس مکتوبِ گرامی کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیے جو علامہ صالح کمال مکی نے اگلے ہی روز محافظ کتب حرم، فاضلِ جلیل علامہ سید اسمٰعیل بن سید خلیل مکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء) کے پاس بھیجا تھا جو حسب ذیل ہے

مکتوبِ گرامی

صاحب الفضیلۃ والاخلاق والمحبۃ الجمیلۃ حضرۃ السید اسمٰعیل افندی حافظ الکتب حضر عندنا قبل تاریخہ رجل من اھل الھند یقال لہ خلیل احمد مع بعض علماء الھند المجاورین بمکۃ یستعطف خاطرنا علیہ لانہ قد بلغہ انی شدید الغیظ علیہ وانا لا اعرفہ شخصا فقال یاسیدی بلغنی انکم واجدون علیّ وذلک بسبب انی ذکرت بما وقع منہ فی البراھین القاطعۃ لدی حضرۃ الامیر حفظہ اللہ فقلت لہٗ لعلّک خلیل احمد انبیٹھی فقال نعم فقلت لہ ویحک کیف تقول فی البراھین القاطعۃ تلک المقالات الشنیعۃ وتجوز الکذب علی اللہ جل جلالہ کیف لا اغتاظ علیک ولقد کتبت علیھا بانک رجل زندیق وکیف تعتذر وتنکر وھی قد طبعت وشاعت عنک فقال یاسیدی ھی لی ولکن لیس فیہ تجویز الکذب علی اللہ ولئن

کان فیھا فانا تائب وراجع عمّا فیھا مما یخالف اھل السنۃ والجماعۃ فقلت لہ ان اللہ یحب التائبین والبراھین موجودۃ وما خرج لک منھا ھذا الذی انکرتہ وتجاسرت بہ علی اللہ جل شانہ فصار ینتصل ویعتذر ویقول ان کان فھو مکذوب علیّ وانا رجل مسلم موحد من اھل السنۃ والجماعۃ ما قلت فیھا ھذا ولا غیرہ مما یخالف مذھب اھل السنۃ والجماعۃ فتعجبت منہ کیف ینکر ما ھو مطبوع فی رسالتہ البراھین القاطعۃ المطبوعۃ بلسان الھند وظھر لی انہ انما قال ذلک تقیۃ کانھم مثل الرافضۃ یرون التقیۃ واجبۃ واردت ان احضرھا واحضر من یفھم ذلک اللسان لاقررہ بما فیھا واستتیبہ لکن فی ثانی یوم من مجیئہ عندنا ھرب الی جدہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ احببنا اعلامکم بذلک ودمتم۔ محمد صالح کمال[1]

۲۸ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ

ترجمہ مکتوبِ گرامی

صاحبِ فضیلت واخلاق ومحبتِ جمیلہ حضرت سید اسمٰعیل آفندی محافظِ کتب حرم! ہمارے پاس ایک ہندوستانی شخص آیا جسے خلیل احمد کہا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ بعض وہ ہندوستانی علماء بھی تھے جنہوں نے مکہ مکرمہ میں مجاورت اختیار کی ہوئی ہے وہ ہمیں اپنے اوپر مہربان کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اسے خبر پہنچی تھی کہ میں اس سے سخت ناراض ہوں۔ میں اس

---

[1] الملفوظ، جلد دوم، مطبوعہ کراچی، ص ۱۵ تا ۱۷

کی صورت کا شناسا نہ تھا۔ اس نے کہا: اے میرے سردار! مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ مجھ سے ناراض ہیں۔ یہ اس سبب سے تھا کہ براہین قاطعہ میں اس سے جو واقع ہوا ہے میں نے اس کا تذکرہ حضرت امیر (شریف مکہ) اللہ اس کی حفاظت کرے، سے کر دیا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کیا تو خلیل احمد انبٹھوی ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ میں نے اس سے کہا: تجھ پر افسوس ہے کہ تو براہین قاطعہ میں ایسی گندی باتیں کیونکر کہتا ہے۔ اور اللہ جل شانہٗ پر کذب جائز ٹھہراتا ہے۔ میں تجھ پر کیوں ناراض نہ ہوں اور اس بنا پر میں لکھ چکا ہوں (تقدیس الوکیل کی تقریظ میں) کہ تو زندیق ہے تو کس طرح عذر اور انکار کرتا ہے حالانکہ وہ تیری جانب سے چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔ کہنے لگا: اے میرے سردار! کتاب تو میری ہے لیکن اس میں امکان کذب کا مسئلہ نہیں ہے۔ اگر وہ اس میں ہے تو میں توبہ کرتا ہوں اور ان باتوں سے رجوع کرتا ہوں جو اہل سنت و جماعت کے خلاف ہیں۔ میں نے اس سے کہا کہ بیشک اللہ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور براہین قاطعہ میرے پاس ہے ابھی نکال کر دکھاتا ہوں وہ جس بات کا تو انکار کرتا ہے اور اللہ جل شانہٗ پر جسارت کی۔ اس پر وہ خوشامد اور عذر کرنے لگا اور کہنے لگا کہ اگر کوئی بات ہے تو وہ مجھ پر بہتان باندھا گیا ہے۔ اور میں تو مسلمان، موحد اور اہلسنت و جماعت سے ہوں۔ میں نے اس میں یہ بات یا مذہب اہلسنت و جماعت کے خلاف کوئی بات نہیں کہی۔ میں اس کی گفتگو سے متعجب تھا کہ کس طرح ایک ایسی بات کا انکار کر رہا ہے جو اس کے رسالہ براہین قاطعہ میں چھاپی جا چکی ہے جو ہندی زبان میں طبع ہوا۔ مجھ پر ظاہر ہو گیا کہ وہ ایسی باتیں، روافض کی طرح ازراہ تقیہ کرتا ہے جو تقیہ کو واجب گردانتے ہیں اور میں نے (براہین قاطعہ) لانے اور ایسے شخص کو بلانے کا ارادہ کیا جو اس زبان کو سمجھتا ہو کہ اس کے مندرجات کا اس سے اقرار کراؤں اور اس سے توبہ لوں لیکن وہ ہمارے پاس آنے کے اگلے ہی روز جدہ کی جانب بھاگ گیا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ میں نے اس واقعہ سے آپ کو مطلع کرنا پسند کیا اور آپ سلامت رہیں۔ محمد صالح کمال

۲۸ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ

اصلی صورت واقعہ تو یہ تھی، اس کے باوجود مدرسہ دیوبند کے سابق صدر یعنی مولوی حسین احمد صاحب ٹانڈوی (المتوفی ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۷ء) نے گاندھویت کی ترنگ میں محمد خلیل احمد صاحب اور حضرت مفتی صالح کمال کی اس ملاقات کا حال یوں بیان کیا ہے:

بعد ازاں مولانا (انبٹھوی صاحب) ان سے رخصت ہو کر مفتی صالح کمال کے پاس بھی گئے۔ مفتی صاحب موصوف سے ملاقات بھی ہوئی۔ اولاً مفتی صاحب بوجہ ان باتوں کے کہ ان کو جھوٹ جھوٹ پہنچائی گئی تھیں کبیدہ خاطر معلوم ہوتے تھے اور کیوں نہ ہوں آخر ہر مسلمان پر ایسی باتوں کا اثر ہونا ضروری ہے مگر جب مولانا نے حقیقتِ حال کا انکشاف فرمایا اور میدانِ تقریر میں جولانی فرمائی تو وہ کبیدگی مبدل بہ فرح و سرور ہو گی اور جملہ تقریرات حضرت مولانا کو انہوں نے تسلیم کیا اور بہت خوش ہوئے:[ل]

اگر ٹانڈوی صاحب کے مذکورہ بالا بیانات کو تھوڑی دیر کے لیے درست تسلیم کر لیں تو صرف ہاں یا نہ کہنے سے بات نہیں بن سکتی کیونکہ اس واقعہ کا تعلق علمائے اہلسنت کے علمی، فکری اور ایمانی تصادم سے ہے۔ ہر واقع کے اس تصادم پر اثرات دیکھے جائیں گے کہ وہ واقعے کی تصدیق کرتے ہیں یا تکذیب۔ مثلاً ٹانڈوی صاحب کے اس بیان ہی کو لیجئے تو ہر قاری کے پردۂ ذہن پر یہ سوالات ابھر آئیں گے:

۱۔ گویا مفتی صالح کمال صاحب کو براہین قاطعہ کی جو عبارت بتائی گئی تھی وہ بات جھوٹ نکلی اور پہلے اس کی وجہ سے جو کبیدگی تھی وہ مسرت میں تبدیل ہو گئی۔ انہوں نے انبٹھوی صاحب کی تمام تقریروں کو درست تسلیم کر لیا اور ان سے بہت خوش بھی ہو گئے تھے تو انبٹھوی صاحب نے اگلا دن بھی نہیں چڑھنے دیا اور راتوں رات مکہ مکرمہ سے بھاگ کر جدہ کیوں جا پہنچے تھے؟

۲۔ کیا مفتی صالح کمال نے ان کی تائید میں ایک لفظ بھی لکھ کر دیا؟

۳۔ موصوف نے انبٹھوی صاحب کے خلاف تقدیس الوکیل پر جو تقریظ لکھی تھی کیا اسے منسوخ کیا؟ نہیں تو کیوں؟

ل: الشہاب الثاقب، مطبوعہ قاسمی پرنٹنگ پریس دیوبند، ص ۲۰۔۲۸

۴۔ مفتی صاحب نے تقدیس الوکیل کی تائید میں جو انبٹھوی صاحب کو زندیق قرار دیا تھا کیا وہ فیصلہ بدل دیا ؟

۵۔ جب مفتی صاحب حقیقت معلوم ہونے پر انبٹھوی صاحب سے بہت خوش ہو گئے تو امام احمد رضا خاں بریلوی سے بہت ناراض ہو جانا چاہیئے تھا لیکن ایسا کیوں نہ ہوا ؟

۶۔ جب وہ انبٹھوی صاحب سے خوش ہو گئے تو ناراض ہو کر دھوکا دینے والے امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے حسام الحرمین اور الدولۃ المکیۃ وغیرہ کی تقریظیں واپس حاصل بریلوی ۲۴ صفر ۱۳۲۴ھ تک مکہ مکرمہ میں رہے لیکن انہوں نے اپنی تقریظیں واپس کیوں نہ لیں ؟

۷۔ جب مفتی صالح کمال پر دھوکا کھل گیا تو انہوں نے دوسرے علمائے مکہ مکرمہ کو بھی بتا دیا ہوگا ان حالات دیگر علمائے مکہ مکرمہ نے اتنے دنوں میں کیوں اپنی ایک بھی تقریظ واپس نہ لی ۔

۸۔ مفتی صالح کمال نے حقیقت سے دیگر علمائے مکہ معظمہ کو یقیناً مطلع کیا ہوگا تو ان حضرات میں سے کسی ایک نے بھی بقلم خود یہ بیان کیوں نہ دیا کہ ہمیں امام احمد رضا خاں بریلوی نے دھوکا دیا تھا جس کا راز ہم پر مفتی صالح کمال اور مولوی خلیل احمد صاحب انبٹھوی کی ملاقات سے کھلا ہے ۔

۹۔ جب علمائے مکہ مکرمہ پر دھوکا کھل گیا تھا تو وہ ۲۴ صفر المظفر ۱۳۲۴ھ تک امام احمد رضا خاں بریلوی کا عدیم المثال اعزاز و اکرام کیوں کرتے رہے ؟ ان سے سندیں اور اجازتیں کس خوشی میں لے رہے تھے ؟

۱۰۔ اس خفیہ ملاقات کے علاوہ کیا انبٹھوی صاحب نے تصدیق کرنے والے کسی مکی عالم کے ہونے کی جرأت کی اور انہیں بتایا کہ میں نے مفتی صالح کمال صاحب پر مولوی احمد رضا خاں کا دھوکا واضح کر دیا ہے ، لہٰذا آپ بھی مطلع ہو کر اپنی تقریظیں واپس لے لیں اور ما بدولت سے کبیدہ خاطر نہ رہیں بلکہ بہت خوش ہو جائیں جیسے کہ مفتی صاحب ہو گئے ہیں ۔ کیا انبٹھوی صاحب نے حسام الحرمین کی تصدیق کرنے والے مکہ مکرمہ کے کسی ایک عالم کو بھی منہ دکھایا ؟ نہیں اور یقیناً نہیں دکھایا تو اس روپوشی کی وجہ کیا ہو سکتی ہے ؟

۱۱۔ مذکورہ حقائق کی روشنی میں ٹانڈوی صاحب کا مذکورہ بالا بیان من گھڑت ، جھوٹ اور افترا پردازی ہے یا نہیں ؟

۱۲۔ قرآن کریم میں ایسے سفید جھوٹ بولنے والوں کے لیے لَعْنَتُ اللّٰہِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ آیا ہے یا نہیں ؟

۱۳۔ اس درجہ جھوٹ بولنے والا قرآن کریم کے نزدیک لعنتی اور مردود الشہادۃ ہوگا یا شیخ الاسلام ؟

۱۴۔ ایسا شخص جس دار العلوم کا صدر ہوگا اس مدرسے کا دیانت و صداقت سے کتنا واسطہ ہوگا ؟

۱۵۔ دریں حالات موصوف کی تصنیف الشہاب الثاقب کسی منصف مزاج کی نظر میں کس درجہ قابل اعتماد ہوگی ؟

ع
واللہ کبھی اہل نظر سے کر تو یہ پوچھو
کیا چیز ہو تم دیکھنے والوں کی نظر میں

دسواں نکتہ

دیوبندی حضرات یہ کہتے ہوئے نہیں تھکتے کہ مولوی احمد رضا خاں بریلوی نے اکابر دیوبند کی عبارتوں میں قطع و برید سے کام لیکر علمائے حرمین شریفین کو دھوکا دیا تھا ۔ اگر دیوبندی مناظرین کی اس بات کو تھوڑی دیر کے لیے درست فرض کر لیا جائے تو ہر انصاف پسند اور صورتِ حال سے باخبر قاری یقیناً دیوبندی حضرات سے یہ پوچھنے پر مجبور ہو جائیگا ۔

۱۔ اگر اکابر دیوبند کی زیر بحث عبارتیں واقعی اسلامی ہیں اور انہیں غیر اسلامی بتانا صرف امام احمد رضا خاں کی کارگزاری ہے تو تمام اکابر دیوبند کے پیر و مرشد اور گنگوہی صاحب کے رحمۃ اللعالمین یعنی حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۹ء) نے مولانا عبد السمیع بیدل رامپوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۱ء) کی کتاب انوار ساطعہ کی تصدیق و تائید تو فرمائی لیکن اس کے رد میں لکھی ہوئی اپنے گنگوہی و انبٹھوی مریدین کی مشترکہ کاوش بنام براہینِ قاطعہ کی تائید کیوں نہ فرمائی ؟

۲۔ اگر علمائے دیوبند کی وہ عبارتیں قابل اعتراض نہیں ہیں تو انبٹھوی صاحب کے خلاف مولانا غلام دستگیر قصوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء) نے مناظرہ بہاول پور کی جو روئداد تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل کے نام سے شائع کروائی اور ۱۳۰۷ھ میں علمائے

حرمین نے اس پر تقاریظ لکھیں تو پایۂ حرمین مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۰ء نے اپنی تقریظ کے اندر اپنے شاگرد مولوی رشید احمد گنگوہی کے متعلق لکھا کہ وہ اُمتِ محمدیہ کے مخالف، نام نہاد رشید اور بارگاہِ رسالت کے گستاخ ہیں۔ اُستاد اپنے شاگرد کے متعلق فرما رہا ہے۔ کیا مولانا کیرانوی کو بھی دھوکا دیا گیا تھا؟

۳۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے نامور خلیفہ مولانا عبد الحق الہ آبادی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے گنگوہی و انبٹھوی صاحبان کے خلاف تقدیس الوکیل کی تائید فرمائی۔ آخر ایسا کیوں ہوا۔

۴۔ خود حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے گنگوہی و انبٹھوی مریدوں کے رد میں لکھی ہوئی کتاب تقدیس الوکیل کی تائید و تصدیق فرمائی۔ کیا قبلہ حاجی صاحب کو دھوکا دے دیا گیا تھا؟

۵۔ علمائے حرمین تو ۱۳۰۴ھ میں انوار ساطعہ کی تائید کے باعث اجمالاً اور ۱۳۰۷ھ میں تقدیس الوکیل کے سبب تفصیلاً مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اور مولوی خلیل احمد صاحب انبٹھوی کی براہینی گمراہیوں سے آگاہ ہو چکے تھے۔ دریں حالات ۱۳۲۳ھ میں جب امام احمد رضا خاں نے بھی [illegible] کی وہی قابل اعتراض عبارتیں پیش کیں، جو پہلے پیش ہو چکی تھیں اور علمائے حرمین نے بھی وہی جواب دیا جو قبل ازیں سولہ سال پہلے ۱۳۰۷ھ میں دے چکے تھے تو فاضل بریلوی نے علمائے حرمین کو کیا دھوکا دیا؟

۶۔ علمائے حرمین کو امام احمد رضا خاں بریلوی سے ناواقف سمجھنا بھی درست نہیں ہے وہ حضرات صورت سے تو واقعی ناآشنا تھے لیکن ۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۹ء میں ان حضرات نے فاضل بریلوی کے ندوۃ العلماء کے رد میں لکھے ہوئے رسالے فتاوی الحرمین برجف ندوۃ المین پر تقریظیں لکھی تھیں۔ اس وقت سے وہ حضرات فاضل بریلوی کی وسیع النظری کے قائل ہو کر آپ کی زیارت کے غائبانہ مشتاق تھے۔ ۱۳۲۳ھ کے اندر چودھویں کا چاند اپنے چاہنے والے ستاروں کی جھرمٹ میں یا چودھویں صدی کا مجدد آسمان علم و عرفاں کے ماہ پاروں کے درمیان جلوہ افروز تھا وہ حضرات صورت کے شناسا تو نہیں تھے لیکن فاضل بریلوی کی عقیدت اُن کے دلوں میں موجزن تھی۔ دریں حالات دھوکا دینے کی بات کہاں تک درست ہو سکتی ہے؟ حالانکہ اگر دھوکا دیا ہوتا

تو وہ حضرات کبھی فاضل بریلوی کا اس درجہ اعزاز و اکرام نہ کرتے اور انبٹھوی صاحب اینڈ کمپنی کے آگے کچھ تو گھاس ڈالتے؟ کیا ہر منصف مزاج اسی نتیجے پر نہیں پہنچے گا کہ دھوکہ دہی کا الزام عائد کرنے والے حضرات خود ہی گم کردۂ منزل ہو کر معاندانہ روش کا شکار رہتے ہیں؟ افسوس!

راہزن خضرِ رہ کی قبا چھین کر
رہنما بن گئے دیکھتے دیکھتے

گیارھواں نکتہ

مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کو ساری دیوبندی جماعت حکیم الامت، مجدد دین و ملت بلکہ جامع المجددین تک کہتی ہے۔ یہ ہر صاحب علم جانتا ہے کہ مجدد اپنے دور میں دینِ برحق کا عدیم المثال علمبردار اور حق و صداقت کا ایسا بیباک ترجمان ہوتا ہے کہ وہ علمی میدان میں ہر رہزنِ دین و ایمان اور ہر گمراہ گروہ کو ساکت و صامت کر چھوڑتا [illegible] کی نگہبانی میں وہ اپنے کام اور اپنی بے پناہ علمیت کے باعث ممتاز نظر [illegible] کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو گزشتہ ہر مجدد کی یہی شان نظر آئے گی۔ اگر تھانوی صاحب کو بھی مجدد تسلیم کر لیا جائے تو فوراً ذہن میں یہ سوالات آ ابھرتے ہیں۔

۱۔ اگر تھانوی صاحب مجدد ہوتے تو سرمایۂ ملت کی نگہبانی کرتے لیکن اس کے برعکس انہوں نے برضا و رغبت رہزنی کو پسند فرمایا اور کفر و ارتداد کے سمندر میں غوطہ جا لگایا۔ کیا مجدد یہ کام کرتا ہے؟

۲۔ اگر وہ مجدد ہوتے تو امام احمد رضا خاں بریلوی کے دلائل کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیتے اور علمی میدان میں انہیں ساکت و صامت کر چھوڑتے۔ لیکن دیکھا یہی گیا ہے کہ تھانوی صاحب کو ساری عمر میں ایک دفعہ بھی فاضل بریلوی کے سامنے آنے کی جرأت نہ ہوئی اور ساری عمر میں امام احمد رضا خاں کی کسی ایک دلیل کو غلط یا دعویٰ سے بیگانہ ثابت نہ کر سکے کیا مجدد علمی لحاظ سے اتنا کمزور اور اپنے معاصرین سے پست ہوتا ہے؟

۳۔ دیکھا تو یہی گیا ہے کہ فاضل بریلوی تو رہے ایک طرف، تھانوی صاحب کو کسی بھی سنی عالم کے بالمقابل ہو کر اپنی پوزیشن صاف کرنے کی تادمِ آخر جرأت نہیں ہوئی کیا مجدد کا یہی

مقام ہوتا ہے؟

۴. تھانوی صاحب پر کفر و ارتداد کا الزام تھا اور وہ عمر بھر اُس الزام کو غلط ثابت نہ کر سکے۔ یہ ملتِ اسلامیہ کی پوری تاریخ میں ایسا ایک بھی مجدد نظر آتا ہے جس پر ایسا سنگین الزام عائد کیا گیا ہو اور وہ اُسے غلط اور بے بنیاد ثابت نہ کر سکا ہو؟ اگر تھانوی صاحب کے کسی معتقد کے علم میں کوئی ایسا مجدد ہے تو اس کی نشاندہی ضرور فرمائی جائے کیونکہ اس سے یقیناً ہماری معلومات میں اضافہ ہوگا۔

۵. اگر تھانوی صاحب اپنے ملک میں شرماتے تھے تو علمائے حرمین شریفین کے پاس ہی چلے جاتے اور اُن سے کہتے کہ آپ نے جو میرے کفر و ارتداد کے فتوے کی تصدیق و تائید کی ہے مجھے اس سے اتفاق نہیں کیونکہ ان دلائل و وجوہات کے باعث وہ فتویٰ اور تصدیق و تائید سب غلط ہے۔ لیکن اس کے برعکس تھانوی صاحب نے تصدیق کرنے والے ایسے کسی ادنیٰ عالم کو منہ نہیں دکھایا، کیا شان تجدید یہی ہوتی ہے؟

۶. اگر تھانوی صاحب یا دیگر اکابر دیوبند کی کفریہ عبارتوں میں ذرا بھی کوئی اسلامی پہلو ہوتا تو بھلا وہ فاضل بریلوی یا کسی سُنی عالم یا کسی مکی و مدنی عالم کے روبرو ہو کر کہتے کہ مانا ہماری عبارتوں میں کفریہ معانی بھی پائے جاتے ہیں لیکن فلاں اسلامی معانی بھی موجود ہیں، لہٰذا ہماری ہر عبارت کو اسی اسلامی پہلو پر محمول کیا جائے کیونکہ آئمہ دین نے فرمایا ہے کہ اگر کسی قول میں ننانوے پہلو کفر کے اور ایک اسلامی ہو تو اُسے اسلامی پہلو پر ہی محمول کرنا چاہیئے جب تک یہ واضح نہ ہو جائے کہ قائل نے کفریہ پہلو ہی مراد لیا ہے — چونکہ ہماری مراد وہی اسلامی پہلو ہے لہٰذا قائل کی مراد کے خلاف ہماری تکفیر غلط ہے اگر ان عبارتوں میں کسی اسلامی پہلو کی رمق بھی ہوتی تو تھانوی صاحب کبھی بھیگی بلی بن کر تھانہ بھون میں نہ پڑے رہتے۔ کیا جو زندگی بھر اپنا اور اپنے اکابر کا مسلمان ہونا ثابت نہ کر سکے وہ مجدد ہوتا ہے؟

۷. اگر تھانوی صاحب مجدد ہوتے تو انگریزوں سے چھ سو روپیہ ماہوار وظیفہ کیوں پاتے؟ وظیفے کا حوالہ اگلی بحث میں آرہا ہے۔ حقیقت یہی سامنے آتی ہے کہ اسی سات ہزار دو سو روپیہ سالانہ کی بدولت تھانوی صاحب اپنے دار الخلافہ تھانہ بھون میں پڑے کفر بکی

کفر ریزی اور کفر خیزی کا کاروبار کرتے اور "سیاں بھئے کوتوال اب ڈر کاہے کا" والا نعرہ الاپتے رہے گویا۔

نگاہ غور سے دیکھو تو عقدہ صاف کھل جائے
وفا کے بھیس میں بیٹھا تھا کوئی بے وفا ہو کر

بارھواں نکتہ

مولوی حسین احمد صاحب ٹانڈوی نے حسام الحرمین کو بے اثر بنانے کی غرض سے الشہاب الثاقب نامی کتاب لکھی۔ اگر علمی اختلاف ہوتا اور علمائے دیوبند کے لیے اپنے اکابر کی حمایت میں کچھ کہنے کی گنجائش ہوتی تو ہر صاحب علم اپنے موقف کو علمی دلائل سے ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس معقول راستے کو چھوڑ کر کسی نا معقول راستے پر جانے کو ہرگز اپنی شان کے شایاں نہیں سمجھتا۔ اس کے باوجود ٹانڈوی صاحب حالانکہ اتنے بڑے مدرسے کی اتنی بڑی شخصیت تھے لیکن اپنے اکابر کی طرح وہ بھی معقول راستے کی طرف نہ گئے بلکہ نا معقول راستہ ہی اختیار کیا جس کے باعث انھوں نے اس کتاب کے اندر گالیوں کی وہ دھواں دار بمباری کی کہ بین الاقوامی چیمپئن شپ جیت لی اور جھوٹے الزامات و بہتانات کے ذریعہ سابقہ سارے ریکارڈ توڑ دیئے اور دیکھا کہ اُن سے بھی کام نہ چلے اس لیے گھڑنت کا کرتب بھی دکھایا مثلاً:-

۱. انہوں نے الشہاب ثاقب کے اندر اپنے ذہن سے دو ایسی کتابیں گھڑیں جن کا دُنیا کے پردے پر کہیں وجود نہیں اور خود ٹانڈوی صاحب نے انہیں خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا۔

۲. دیانت و صداقت کا اس سے بڑھ کر ثبوت دیتے ہوئے موصوف نے اُن کتابوں کے مطابع، صفحات اور عبارتیں تک اپنے ذہن سے گھڑ لیں تاکہ حق کے علمبردار ہونے میں کوئی شبہ نہ رہے۔

۳. گاندھویت کی ترنگ میں یہاں تک ترقی کی کہ اُن گھڑی ہوئی کتابوں سے فاضل بریلوی پر حجت قائم کی کہ مولوی احمد رضا صاحب تم یہ کہتے ہو حالانکہ تمہارے فلاں فلاں اکابر نے اپنی فلاں فلاں تصانیف میں ایسا لکھا ہے۔ اب بتاؤ تم سچے ہو یا تمہارے وہ اکابر سچے تھے؟ —

معلوم نہیں دیانت وصداقت اور حیا کا یہ کونسا درجہ تھا جس پر ٹانڈوی صاحب فائز ہو گئے تھے۔

موصوف نے اپنی پہلی گھڑنت کا ذکر یوں فرمایا تھا:۔

جناب شاہ حمزہ صاحب مارہروی مرحوم خزینۃ الاولیاء مطبوعہ کانپور صفحہ ۱۵ میں ارقام فرماتے ہیں کہ علم غیب صفت خاص ہے رب العزت کی جو عالم الغیب والشہادۃ ہے جو شخص رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عالم الغیب کہے وہ بے دین ہے۔ اس واسطے کہ آپ کو بذریعہ وحی کے امور مخفیہ کا علم ہوتا تھا جسے علم غیب کہنا گمراہی ہے ورنہ جمیع مخلوقات نعوذ باللہ عالم الغیب ہے۔" [1]

موصوف نے اپنی دوسری گھڑنت کا اظہار ان لفظوں میں فرمایا تھا:۔

مولوی رضا علی خاں صاحب ہدایۃ الاسلام مطبوعہ صبح صادق سیتا پور صفحہ ۳۰ میں فرماتے ہیں: "حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم غیب بالواسطہ تھا اور یہ علی قدر مراتب سب کو حاصل ہے اور علم غیب مطلق و بالذات کا اعتقاد رکھنا مفضی الی الکفر ہے اور نص قطعی کے خلاف اس میں تاویل اور ہیر پھیر کرنا بے دین کا کام ہے۔" [2]

اجمل العلماء، مفتی سنبھل، مولانا محمد اجمل رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۴ء) نے ردشہاب ثاقب کے اندر دارالعلوم دیوبند کے سابق صدر کی اس جعلسازی پر ۱۳۷۴ھ / ۱۹۵۴ء میں گرفت فرمائی اور علمائے دیوبند سے مطالبہ کیا کہ اگر سچے ہو تو یہ دونوں کتابیں دکھاؤ یا ان کے وجود کا ثبوت فراہم کرو، آج کے دن تک کسی دیوبندی عالم سے نہیں ہو سکا کہ وہ کتابیں دکھا کر یا ان کا وجود ثابت کر کے اپنے صدر دیوبند کو سرخ رو کرے اور اس کلنک کے ٹیکے کو ہٹا سکے جو ٹانڈوی صاحب نے اپنی کاندھوی پیشانی پر برضا و رغبت لگایا تھا۔ اسی بے بسی کے عالم میں علامہ شبیر احمد عثمانی کے برادر زادہ یعنی مولوی عامر عثمانی دیوبندی (المتوفی ۱۳۹۵ھ ۱۹۷۵ء) کی یہ تک بندی بھی دیدنی ہے:۔

کتاب (ردشہاب ثاقب) کے لب لہجے سے وحشت زدہ ہونے کے باوجود اتنا ہم

---

۱ الشہاب الثاقب، مطبوعہ دیوبند، ص ۹۹

۲ ایضاً، ص ۹۹

انصافاً ضرور کہیں گے کہ مصنف نے مولانا مدنی (ٹانڈوی صاحب) پر ایک الزام بڑا بھیانک اور فکر انگیز لگایا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جن دو کتابوں خزینۃ الاولیاء اور ہدایۃ الاسلام سے شہاب ثاقب میں بعض اقتباسات دیئے گئے ہیں وہ فی الحقیقت من گھڑت ہیں۔ جن مصنفوں کی طرف انہیں منسوب کیا گیا ہے انہوں نے کبھی ہرگز ہرگز یہ کتابیں نہیں لکھیں ...... تاہم یہ قیاسات ہیں بلکہ محض عقلی تک بندی پر ہیں۔ حق یہ ہے کہ تحقیقی اور معقول جواب یا تو مولانا مدنی کے بلند اقبال صاحبزادے مولوی اسعد طول عمرہٗ کے ذمہ ہے یا پھر ان مریدین و متوسلین کے ذمے ہے جو بجا طور پر مولانا کی عقیدت و محبت میں سرشار ہیں۔" [1]

اس سے پیشتر حسام الحرمین اور الدولۃ المکیۃ کے منظر عام پر آنے سے بوکھلا کر علمائے دیوبند نے مل جل کر سیف النقی نامی کتاب تیار کی۔ دیوبندی فوج کے ہر جرنیل نے پوری وفاداری سے اس کی تیاری میں حصہ لیا اور اسے تیار کر کے مدرسہ دیوبند سے شائع کیا۔ علمائے دیوبند نے دیانت و صداقت کے تمام درجے طے کرتے ہوئے پوری حیاداری کے ساتھ اس کے اندر ساختہ کتابیں اسی طرح اپنے مقدس اور سراسر پاکیزہ دماغوں سے گھڑیں اور اپنے نورانی ذہنوں سے انہیں فاضل بریلوی کے والد کی جانب منسوب کیا اور پورے روحانی تقدس کے ساتھ ان کتابوں کے مطابع، صفحے اور عبارتیں تک اپنے ملکوتی دماغوں سے ایجاد کیں۔ پھر ان جعلی اور سراسر من گھڑت کتابوں کی من گھڑت عبارتوں سے امام احمد رضا خاں بریلوی کے خلاف حجت قائم کرنے لگے کہ دیکھو تمہارے بڑے تو یوں فرماتے تھے، حالانکہ یہ ساری کارگزاری لَعْنَةُ اللّٰہِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ کی منہ بولتی تصویر تھی۔

اسی میں دیوبندی فوج کے سارے جرنیلوں نے فاضل بریلوی کے والد ماجد مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کی مُہر اپنے جنتی دماغوں سے گھڑی اور اس پر مہر بنوانے کا سال ۱۳۰۱ھ لکھ دیا۔ جب کہ مولانا نقی علی خاں کا وصال ۱۲۹۷ھ میں ہو گیا تھا۔ یہ تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ اتنے بڑے بڑے دیوبندی عالموں نے یہ مشترکہ طور پر جھوٹ بولا یا دروغ گوئی سے کام لیا ہے بلکہ ان حضرات کے ظاہری تقدس نیز جبوں اور عماموں کا لحاظ کرتے ہوئے ہمیں یہی کہنا پڑے گا کہ مولانا نقی علی خاں

---

۱ ماہنامہ تجلی، بابت فروری و مارچ ۱۹۵۹ء

نے اپنے وصال سے چار سال بعد ہی مہر بنوائی ہوگی۔ لیکن الیاماں کہ علمائے دیوبند کو جعلسازی سے بچاتے ہوئے ہم خود پھنس جائیں گے کہ اگر مولانا علی نقی خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وصال سے چار سال بعد ہی مہر بنوائی تو اپنی زندگی میں لکھی ہوئی مہری دستخطی فرضی کتابیں اور ان کی ذاتی عبارتیں علمائے دیوبند کو کیسے دے گئے تھے؟ بہر حال یہ وہ راز ہے جس کی گتھی کو علمائے دیوبند کی دیانت و صداقت ہی کھول سکتی ہے۔ دار العلوم دیوبند کے سپوتوں، تقدس کے مجسموں کی ایسی ہی کارگزاریوں کے پیش نظر مجدد مائۃ حاضرہ کے احباب سے سید عبد الرحمٰن بیتھوی رحمۃ اللہ علیہ کو ۱۳۲۸ھ / ۱۹۱۰ء میں بریلی شریف سے یہ اعلانِ عام کرنا پڑا۔

"ارے دم ہے کسی تھانوی، دربھنگی، سرہنگی، سربھنگی، انبیٹھی، دیوبندی، نانوتوی گنگوہی، امرتسری، دہلوی، جنگلی وکوہی میں کہ ان من گھڑت کتابوں، ان کے صفحوں، ان کی عبارتوں کا ثبوت دے اور نہ دے سکے تو کسی علمی بحث یا انسانی بات میں کسی عاقل کے لگنے کے قابل اپنا منہ بنا سکے۔" عـہ

اگر دیوبندی حضرات کا تقویٰ و طہارت، انصاف و دیانت اور صداقت و حقانیت سے دور کا واسطہ بھی ہوتا تو وہ ایسی شرمناک اور انتہائی گری ہوئی شعبدہ بازی اور افترا پردازی کے کبھی نزدیک بھی نہ پھٹکتے۔ حقانیت کے علمبرداروں کو خیانت اور جعلسازی کا سہارا لینے کی قطعاً ضرورت نہیں پڑتی کیونکہ صداقت کے اندر یہ پوری طاقت ہوتی ہے کہ وہ اپنی صداقت کو خود منوا لیتی ہے۔ دریں حالات علمائے دیوبند کے ان شرمناک مظاہروں اور کرتبوں کو دیکھ کر ہر منصف مزاج یہی تو کہے گا۔

رہ منزل میں سب گم ہیں مگر افسوس تو یہ ہے
امیر کارواں بھی ہیں انھیں گم کردہ راہوں میں

تیرھواں نکتہ

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۹ء) اکثر اکابر دیوبند کے پیر و مرشد تھے جبکہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی تو انہیں رحمۃ للعالمین کہتے تھے۔ حاجی صاحب کے تمام مریدین و متوسلین میں مولانا عبد الحق الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ علم کے لحاظ

عـہ - رماح القہار علی کفر الکفار، دیباچہ خالص الاعتقاد، ص ۱۷

سب میں فائق اور قبلہ حاجی صاحب کے معتمد خاص تھے کیونکہ وہ علم و فضل میں اپنی نظیر آپ تھے اور مکہ مکرمہ کے اندر ان کے علمی فیضان کے دریا بہہ رہے تھے۔ یہ بات تو معمولی سوجھ بوجھ والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ فاضل بریلوی یا کوئی دوسرا شخص علمائے دیوبند کے بارے میں مولانا الہ آبادی کو ہرگز دھوکا نہیں دے سکتا تھا کیونکہ نہ وہ علمائے دیوبند سے ناآشنا تھے اور نہ فاضل بریلوی یا ہندوستان کے کسی دوسرے سُنی عالم سے ناواقف تھے۔ موصوف نے سب کچھ دیکھ بھال کر امام احمد رضا خاں بریلوی کی توصیف اور علمائے حرمین کی ہمنوائی کی تھی۔ بغیر دیکھے بھالے وہ اپنے پیر بھائیوں کے خلاف ہرگز نہیں لکھ سکتے تھے۔ چنانچہ حسام الحرمین کے اندر ان کی تقریظ پانچویں نمبر پر ہے۔

فاضل بریلوی کی تائید کرنے والے علمائے مکہ مکرمہ میں حضرت حاجی صاحب کے دوسرے خلیفہ مولانا شیخ احمد مکی امدادی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ موصوف نے بھی اپنے پیر بھائی اکابر دیوبند کے کفر و ارتداد کا حکم شرح بیان کرنے میں ذرا جھجک محسوس نہیں کی اور امام احمد رضا خاں بریلوی کی تائید میں [illegible] تقریظ لکھی۔ موصوف کی تقریظ کے چند جملوں کا ترجمہ قارئین کرام ملاحظہ فرمائیں:

حمد و صلوٰۃ کے بعد کہتا ہے بندۂ ضعیف اپنے ربِ لطیف کے لطف کا امیدوار احمد مکی چشتی صابری امدادی کہ میں اس رسالہ پر مطلع ہوا جو چاروں بیانوں پر مشتمل ہے، قطعی دلیلوں سے مؤید اور ایسی حجتوں سے جو قرآن و حدیث سے ثابت کی گئی ہیں۔ گویا وہ بے دینوں کے دل میں بھالے ہیں۔ میں نے اُسے تیز تلوار پایا کافر، فاجر، وہابیوں کی گردن پر۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے مؤلف کو سب سے بہتر جزا عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ ہمارا اور اس کا حشر زیر نشان سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کرے اور ایسا کیوں نہ ہو کہ وہ دریائے زخار ہے، صحیح دلیلیں لایا جن میں کوئی علت نہیں اور سزاوار ہے کہ اس کے حق میں کہا جائے کہ وہ حق و دین کی مدد کرنے اور بے دینوں سرکشوں کی گردنیں قلع قمع کرنے پر قائم ہے۔ سُن لو وہ پرہیزگار فاضل ستھرا، کامل، پچھلوں کا معتمد اور اگلوں کا قدم بقدم، فخر اکابر، مولانا مولوی محمد احمد رضا خاں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے امثال کثیر کرے اور مسلمانوں کو اس کی درازیٔ

عمر سے نفع بخشے (آمین) کچھ شک نہیں کہ یہ طائفے صراحۃً دلیلوں کو جھٹلا رہے ہیں تو ان پر کفر کا حکم لگایا جائے گا۔ تو سلطانِ اسلام پر ...... واجب ہے کہ ایسوں کی آلودگی سے زمین کو پاک کرے اور ان کے اقوال و افعال کی قباحتوں سے لوگوں کو بچائے۔" ؎

امدادی بارگاہ کے اس فیصلے کو دیکھ کر یہ شعر بے ساختہ نوکِ قلم پر آگیا۔

؎ ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا مرے حق میں
زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہِ کنعاں کا

مولانا عبدالحق امدادی الٰہ آبادی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے نامور شاگرد یعنی مولانا سید اسمٰعیل بن سید خلیل رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء) کے ہاشمی تیور اور امدادی جوہر ان کی تقریظ کے ہر لفظ سے عیاں ہیں اور موصوف کی تقریظ میں ایمانی فراست کے مظاہرے کو دیکھ کر ہر منصف مزاج پھڑک اُٹھے گا اور بیساختہ داد دینی پڑے گی کہ متحدہ ہندوستان کے اندر رہتے ہوئے کتنے ہی اہل علم حقیقت کی تہہ کو نہ پا سکے لیکن اتنی دور رہتے ہوئے موصوف نے الفاظ کے آئینے میں جھانک کر حقیقت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اسی لیے تو کہا گیا ہے۔ اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ۔ حسام الحرمین کے اندر موصوف کی تقریظ چھٹے نمبر پر ہے۔ اُن کی تقریظ کے چند جملوں کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

"حمد و صلوٰۃ کے بعد کہتا ہوں کہ یہ طائفے جن کا تذکرہ سوال میں واقع ہے، غلام احمد قادیانی اور رشید احمد اور جو اس کے پیرو ہوں جیسے خلیل احمد انبیٹھوی اور اشرف علی وغیرہ اُن کے کفر میں شبہ نہیں، نہ شک کی مجال، بلکہ جو اُن کے کفر میں شک کرے بلکہ کسی طرح کسی حال میں اُنھیں کافر کہنے میں توقف کرے تو اس کے کفر میں بھی شبہ نہیں کہ ان میں کوئی دین متین کو پھینکنے والا ہے اور اُن میں کوئی ضروریاتِ دین کا انکار کرتا ہے جن پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ تو اسلام میں ان کا نام و نشان کچھ باقی نہ رہا جیسا کہ کسی جاہل سے جاہل پر بھی پوشیدہ نہیں۔" ؎

؎ حسام الحرمین، مطبوعہ لاہور، ص ۱۶۹ تا ۱۷۱ ؎ حسام الحرمین، مطبوعہ لاہور، ص ۱۳۱

موصوف کی ایمانی فراست کا کرشمہ اُن کے ان لفظوں کے آئینے میں دیکھیے۔

"مجھے ایسا علم یقین حاصل ہوا جس میں اصلاً شک نہیں کہ یہ کافروں کے یہاں کے منادی (ایجنٹ) ہیں۔ دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو باطل کرنا چاہتے ہیں۔" ؎

مولانا سید اسمٰعیل بن سید خلیل مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بجا فرمایا واقعی یہ حضرات کسی کی آواز ہو کر رہ گئے تھے۔ چند سکوں اور چند روزہ زندگی کے راحت و آرام کی خاطر ایمان جیسی متاعِ عزیز کو بھی داؤ پر لگا دیا تھا۔ انہوں نے جو کچھ کیا وہ کیا لیکن ان حضرات کے جبوں اور عماموں کے باعث مولوی اور پیر کہلانے کے سبب کتنے ہی مسلمان آج تک دھوکا کھا رہے ہیں اور ان کے پیچھے لگ کر، اُن کی محبت کا شکار ہو کر مفت میں اپنے ایمان کی دولت کو ضائع کر بیٹھتے ہیں۔ علامہ سید اسمٰعیل مکی نے اُن ہندی لصوصِ دین کے چہروں پر پڑی ہوئی تقدس کی نقاب کو ہٹا کر اسی تقریظ میں یوں حقیقت کا اظہار بھی فرمایا:۔

"حاصل یہ کہ زمینِ ہند میں سب طرح کے فرقے پائے جاتے ہیں اور یہ باعتبارِ ظاہر ہے ورنہ وہ حقیقت میں کافروں کے رازدار (ایجنٹ) ہیں اور دین کے دشمن ہیں اور ان باتوں سے ان کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالیں۔" ؎

واقعی یہ انگریزوں کا برطانوی منصوبہ تھا کہ مسلمانوں میں پھوٹ ڈال کر ان کی اجتماعی قوت کو ختم کر دیا جائے اور دوسری جانب اُن کے کانوں میں اپنے ایجنٹوں کے ذریعے ایسی باتیں ڈالی جائیں جن کے باعث ان کا ایمان اپنی موت مر جائے اور جب ایمانی قوت کے سامنے کفر ٹھہر نہیں سکتا، انگریزوں کے مقابلے پر وہ قوت ہی نہ رہے۔ برٹش گورنمنٹ کے اس منصوبے کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کی خاطر جن حضرات نے اپنے دین و ایمان تک کا سودا کر دیا تھا اور اسلامیانِ ہند کو ایمان سے محروم کرنے کا بیڑہ اٹھایا اُن گندم نما جو فروش قسم کی ہستیوں میں یہ پانچوں حضرات سب سے نمبر لے گئے۔ ہندی مسلمانوں کے ایمان و اتحاد کے خرمن میں ان پانچوں حضرات نے جو آگ لگائی وہ آج تک [illegible] میں نہیں آئی بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ اور شدت سے بھڑکتی جا رہی ہے۔ افسوس!

؎ حسام الحرمین، مطبوعہ لاہور، ص ۱۳۰ ؎ حسام الحرمین، مطبوعہ لاہور، ص ۱۳۳

دل کے پھپھولے جل اُٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

یہی ملتِ اسلامیہ کے بطلِ جلیل، علامہ سید اسمٰعیل بن سید خلیل مکی آفندی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو ۱۳۱۷ھ میں فاضل بریلوی کے رسالہ فتاویٰ الحرمین برجف ندوۃ المین پر تقریظ لکھنے کے وقت سے امام احمد رضا خاں بریلوی کی بارگاہ میں عقیدت کے پھول نچھاور کرتے اور یادوں کے چراغ جلائے رکھتے تھے۔ جب سات سال انتظار کرنے کے بعد ۱۳۲۴ھ میں اُسی چودھویں صدی کے آفتاب علم وعرفاں کو اپنی نگاہوں کے سامنے جلوہ گر پایا تو پروانہ وار نثار ہونے لگے۔ فاضل بریلوی کی تائید میں تقریظ لکھتے ہوئے مجدد برحق کے بارے میں حق وصداقت کے اس پرستار کا قلم صفحۂ قرطاس پر یوں عقیدت وحقیقت کے موتی بکھیرتا چلا گیا:۔

میں اللہ عزوجل کی حمد بجا لاتا ہوں کہ اس نے اس عالم باعمل کو مقرر فرمایا جو فاضل کامل ہے، منقبتوں اور فخروں والا، اس مثل کا مظہر کہ اگلے پچھلوں کیلئے بہت کچھ چھوڑ گئے، یگانۂ زمانہ، اپنے وقت کا یگانہ، حضرت احمد رضا خاں، اللہ بڑے احسان والا پروردگار اُسے سلامت رکھے، اُن کی بے ثبات حجتوں کو آیتوں اور قطعی حدیثوں سے باطل کرنے کے لیے اور وہ کیوں نہ ایسا ہو کہ علمائے مکہ اس کے لیے ان فضائل کی گواہیاں دے رہے ہیں اور اگر وہ سب سے بلند مقام پر نہ ہوتا تو علمائے مکہ اس کی نسبت یہ گواہی نہ دیتے، بلکہ میں کہتا ہوں کہ اگر اس کے حق میں یہ کہا جائے کہ وہ اس صدی کا مجدد ہے تو البتہ حق وصحیح ہے"۔ لے

مولانا عبدالحق الٰہ آبادی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے شاگرد مولانا کریم اللہ مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے فاضل بریلوی کی مراجعت کے بعد بھی الدولۃ المکیۃ کی تقاریظ کے لیے سب سے بڑھ کر کوشش کی اور عالم اسلام کی مایۂ ناز شخصیت، محقق یگانہ، عشقِ رسول کی شمع فروزاں، علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ کو الدولۃ المکیۃ بھیج کر اور با اصرار تابڑ پیام کر کے تقریظ حاصل کی۔ موصوف ہندوستانی عالم اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے

لے حسام الحرمین، مطبوعہ لاہور، صفحہ ۱۳۲

علمی وروحانی فرزند تھے۔ موصوف نے اپنی تقریظ کے اندر امدادی کیمپ سے بغاوت کرنیوالے اکابر دیوبند کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے:

حمد ونعت کے بعد میں نے واقفیت حاصل کی الدولۃ المکیۃ کی جو امام، بزرگ، محقق، نکتہ رس، سیدی وملاذی اس زمانے کے مجدد، عبدالمصطفےٰ، ان پر روح ودل فدا ہوں یعنی مولانا احمد رضا خاں، اللہ حنان منان انہیں سلامت رکھے، کی تالیف ہے۔ تو کچھ جھوٹے وہابی، دروغ باف گنگوہی کے متبعین وغیرہ ان کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ ہمارے بزرگ سردار (فاضل بریلوی) اللہ ان کا ذکر بلند کرے وہ اس بات کے قائل ہیں کہ خالق ارض وسماء (جلّ جلالہٗ) اور باعث تخلیق کائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) کا علم مساوی ہے، یہ صریح جھوٹ، بالکل افترا اور بدترین بہتان ہے۔ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت اور ظالموں کا ٹھکانا بُرا ہے۔ انہیں ملعون اتہامات کو دفع کرنے کے لیے حرمین شریفین کے ہمارے سرداروں اور علماء کی تقاریظ لکھی گئیں۔ لے

جہاں متحدہ ہندوستان میں امدادی کیمپ سے بغاوت کرنے اور تخریب دین افتراق بین المسلمین کو اپنا نصب العین ومشغلہ بنانے والے اکابر دیوبند کا اندرونِ ملک قبلہ حاجی صاحب کے متوسلین نے ناطقہ بند کیا ہوا تھا وہاں مکۂ مکرمہ اور مدینہ منورہ سے امدادی علماء نے حکومت کے ایماء واشارے پر مقدس شجرِ اسلام میں غیر اسلامی عقائد ونظریات کی قلمیں لگانے والے اکابر دیوبند کی اسلام دشمنی کا شرعی حکم بیان کرنے میں کوئی پس وپیش نہیں کی اور اپنی شرعی ذمہ داری کو نبھانے میں دیگر علمائے حرمین سے ذرا بھی پیچھے نہیں رہے۔ ان حقائق کو دیکھ کر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت حاجی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ سے اکابر دیوبند راندۂ درگاہ ہو چکے تھے اور ان مہربانوں کا حضرت حاجی صاحب امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ سے اکابر دیوبند راندۂ درگاہ ہو چکے تھے اور ان مہربانوں کا حضرت حاجی صاحب سے کوئی دینی ایمانی رشتہ باقی رہ نہیں گیا تھا۔

حاجی صاحب موصوف نے اپنی زندگی میں اسے یہی سمجھا ہوگا کہ ان کے متوسلین میں

لے: الدولۃ المکیۃ، مطبوعہ کراچی، ص ۱۵۹

علمی اختلاف واقع ہوگیا ہے جس کا نبی علمائے دیوبند کی غلط فہمی اور بعض مسائل کی حقیقت کو سمجھ نہ پانے کے باعث ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے متوسلین کے درمیان سے اختلاف کی خلیج کو مٹانے کی خاطر فیصلہ ہفت مسئلہ نامی کتاب لکھی اور اختلافی امور کے بارے میں اپنا عقیدہ و عمل واضح فرما دیا۔ تاکہ جو انہیں اپنا روحانی پیشوا اور پیر و مرشد مانتے ہوں وہ اس کے مطابق اپنا عقیدہ و عمل رکھیں گے اور جو اپنے پیر و مرشد کے عقیدے اور عمل کے خلاف جائیں گے اُن کی بغاوت سب پر خود واضح ہو جائے گی۔

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا رفع اختلاف کی خاطر یہ کتابچہ مکہ مکرمہ سے مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کے پاس آیا اور قبلہ حاجی صاحب نے ان کے لیے حکم بھیجا کہ اسے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے پاس بھیج دیا جائے۔ جب اس حکم کی تعمیل ہوگئی تو سرکار گنگوہیت مآب نے اپنے پیر و مرشد کے مرسلہ تمام کتابچوں کو جلا دینے کا حکم صادر فرمایا۔ گنگوہی صاحب نے فیصلہ ہفت مسئلہ کی جلد کاپیاں جلا دینے کا حکم اپنے شاگرد خواجہ حسن نظامی کو دیا تھا۔ یہ واقعہ خواجہ حسن ثانی نظامی دہلوی کی زبانی سنیے اور غیر جانب دار ہو کر معاملے کی تہ تک پہنچیے:۔

نذر آتش کرنے کی یہ خدمت والدی حضرت خواجہ حسن نظامی کے سپرد ہوئی جو اس وقت گنگوہ میں حضرت مولانا رشید احمد کے ہاں زیر تعلیم تھے۔ لیکن خواجہ صاحب نے جلانے سے پہلے اُس کو پڑھا اور جب ان کو وہ کتاب اچھی معلوم ہوئی تو انہوں نے اُستاد کے حکم کی تعمیل میں آدھی کتابیں تو جلا دیں اور آدھی بچا کر رکھ لیں۔ اس کے کچھ عرصہ بعد مولانا اشرف علی تھانوی مولانا گنگوہی سے ملنے آئے اور اُن سے پوچھا کہ میں نے کچھ کتابیں تقسیم کرنے کے لیے آپ کے پاس بھیجی تھیں ان کا کیا ہوا؟ مولانا گنگوہی نے اس کا جواب خاموشی سے دیا لیکن کسی حاضر الوقت نے کہا کہ علی حسن (خواجہ حسن نظامی) کو حکم ہوا تھا کہ انہیں جلا دو۔ مولانا تھانوی نے میاں علی حسن سے پوچھا کہ کیا واقعی تم نے کتابیں جلا دیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ استاذ کا حکم ماننا ضروری تھا اس لئے میں نے آدھی کتابیں تو جلا دیں اور آدھی میرے پاس محفوظ ہیں۔ حضرت خواجہ صاحب بیان کرتے تھے کہ مولانا تھانوی اس سے اتنے خوش ہوئے کہ آم کھا

رہے تھے، فوراً دو آم اُٹھا کر مجھے انعام دیے:" [۱]

میرا خیال ہے کہ قارئین کرام کو اب یہ سمجھنے میں ذرا بھی الجھن نہیں رہی ہوگی کہ دیوبندی بڑے کے ناخدا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی ان دنوں مقدس اسلام سے بغاوت کر کے برٹش گورنمنٹ کے امام ربانی اور قطب الاقطاب بن گئے تھے۔ اب وہ حکومتِ وقت کے ہاتھوں میں چوں قلم در دستِ کاتب تھے۔ اب تخریبِ دین و افتراق بین المسلمین سے باز آکر اصل اسلام کی جانب لوٹنا ان کے بس کی بات نہیں رہ گئی تھی کیونکہ چند روزہ زندگی کے آرام و راحت کی خاطر انہوں نے دارین کی اپنی ساری متاع فروخت کر دی تھی۔ دریں حالات وہ اپنے پیر و مرشد کی کوئی اسلامی و ایمانی بات ماننے سے مجبور بنے بیٹھے تھے لہٰذا ان حالات میں قبلہ حاجی صاحب کے فیصلے کا ان کی بارگاہ میں وہی حشر ہونا تھا جو گنگوہی صاحب نے کر کے دکھا دیا۔

دیکھو تو دلفریبیٔ انداز نقشِ پا　　موجِ خرام یار بھی کیا گل کتر گئی

چودھواں نکتہ

مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۰ء) متحدہ ہندوستان کے ایک پائے کے اور بلند پایہ عالم ہو گزرے ہیں۔ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اور کئی دیگر دیوبندی علماء نے اُن سے علمی استفادہ کیا تھا۔ موصوف کے بارے میں مولوی خلیل احمد صاحب انبہٹوی نے اپنی خلافِ دین و دیانت تصنیف براہین قاطعہ میں لکھا ہے:۔

خود شیخ العلماء نے جو معاملہ ہمارے شیخ الہند مولوی رحمت اللہ کے ساتھ کیا وہ کسی پر مخفی نہیں:" [۲]

اس عبارت میں انبہٹوی صاحب نے رحمۃ اللہ کیرانوی کو ہمارے شیخ الہند کہا ہے۔ مولانا کیرانوی ۱۸۵۷ء کے بعد مکہ مکرمہ کو ہجرت کر گئے تھے کیونکہ اُس جنگِ آزادی میں حصہ لینے کی پاداش میں اُن کی ساری املاک ضبط ہوگئی تھی۔ وہاں انہوں نے مدرسہ صولتیہ کی بنیاد رکھی۔ حکومتِ وقت کی جانب سے پائے حرمین کا لقب اور قاضی القضاۃ کا عہدہ ملا۔ انبہٹوی صاحب نے اپنی

[۱] پچھلے صفحہ کا حاشیہ: ماہنامہ منادی، دہلی، جلد ۲۹، شمارہ ۱۲، ۲۲

[۲] براہین قاطعہ، مطبوعہ نیشنل پرنٹنگ پریس دیوبند، ص ۲۲

اسی کتاب میں مولانا کیرانوی کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے :۔

"اس آخر وقت میں اب مولوی رحمت اللہ صاحب تمام علمائے مکہ پر فائق اور سرافراز علمائے مکہ اعلم ہیں"۔ [1]

انبھٹوی صاحب نے مولانا رحمت اللہ کیرانوی کو ۱۳۰۴ھ میں مذکورہ لفظوں کے ساتھ یاد کیا اور کیوں نہ ہو جبکہ موصوف سے کتنے ہی دیوبندی علما نے علمی استفادہ کیا تھا۔ دریں حالات مولانا کیرانوی کو دیوبندی بریلوی خانہ ساز اختلاف میں ملوث نہیں کیا جا سکتا بلکہ ان کی رائے اور فیصلے کو بے لاگ ماننا ہوگا کیونکہ وہ حق و صداقت پر ہی مبنی ہوگا۔ ان کا تعلق صرف حقانیت و صداقت سے تھا کسی فریق کی حمایت یا مخالفت سے انہیں کوئی سروکار نہیں تھا۔ چنانچہ مولانا کیرانوی نے گنگوہی اور انبھٹوی صاحبان کے خلاف مولانا غلام دستگیر قصوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء) کی تصنیفِ لطیف تقدیس الوکیل پر تقریظ لکھی۔ معزز قارئین پہلے ان کی تقریظ کے چند ابتدائی جملے ملاحظہ فرمائیں :۔

بعد حمد اور نعت کے کہتا ہے راجی رحمۃ ربہ المنان رحمت اللہ بن خلیل الرحمن غفر لہ الحنان کہ مدت سے بعض باتیں جناب مولوی رشید احمد صاحب کی سنتا تھا، جو میرے نزدیک اچھی نہ تھیں اعتبار نہ کرتا تھا کہ انہوں نے ایسا کہا ہوگا اور مولوی عبدالسمیع صاحب جو اُن کو میرے سے رابطہ شاگردی کا ہے، جب تک مکہ معظمہ میں نہیں آئے تھے تحریرًا منع کرتا تھا اور مکہ معظمہ میں آنے کے بعد تقریرًا بہت تاکید سے منع کرتا تھا کہ آپس میں مختلف نہ ہوں اور علمائے دیوبند کو اپنا بڑا سمجھو۔ پر وہ مسکین کہاں تک صبر کرتا اور میرا اعتبار نہ کرنا کس طرح ممتد رہتا کہ حضرات علمائے مدرسہ دیوبند کی تحریر اور تقریر بطریق تواتر مجھ تک پہنچی ہے، تمام افسوس سے کچھ کہنا پڑا اور چپ رہنا خلاف دیانت سمجھا گیا۔ سو کہتا ہوں کہ میں جناب مولوی رشید کو رشید سمجھتا تھا مگر میرے گمان کے خلاف کچھ اور ہی نکلے۔ جس طرف آئے اُس طرف ایسا تعصب برتا کہ اس میں ان کی تقریر اور تحریر دیکھنے سے رونگٹا

[1] براہین قاطعہ مطبوعہ دیوبند، ص ۲۶۷

کھڑا ہوتا ہے"۔ [1]

وہی مولانا کیرانوی جو اپنے علمی فرزندوں سے فرماتے تھے کہ آپس میں اختلاف نہ کرو اور علمائے دیوبند کو اپنے بڑے بھائی سمجھو، جب ان کے سامنے علمائے دیوبند کی تحریریں اور تقریریں متعدد ذرائع سے پہنچیں اور واضح ہوا کہ علمائے دیوبند نے تو اب اہل اسلام کے خلاف محاذ بنا کر علمائے اسلام سے جنگ شروع کر رکھی ہے تو دیوبندی بیڑے کے ناخدا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے بارے میں اُن کی تحریروں کے پیش نظر تقدیس الوکیل پر تقریظ لکھتے ہوئے اظہارِ حق کے شرعی فریضہ سے یوں سبکدوش ہوتے ہیں :۔

"پھر حضرت رشید نے جو نواسے (امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی طرف توجہ کی تھی اس پر بھی اکتفا نہ کیا اور خود ذاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وعلیٰ اخوانہ وآلہ وصحبہ وسلم کی طرف توجہ کی۔ پہلے مولود کو کنہیا کا جنم اشٹمی ٹھہرایا اور اس کے بیان کو حرام بتلایا اور کھڑے ہونے کو گوکوئی کیسے ہی ذوق و شوق میں ہو بہت بڑا منکر (بُرا کام) فرمایا۔ اس ٹھہرانے بتلانے۔ فرمانے سے لکھوکھا علمائے صالحین اور مشائخ مقبول رب العالمین اُن کے نزدیک بڑے نفرتی ٹھہر گئے۔ پھر ذاتِ نبوی ہی اس پر بھی اکتفا نہ کر کے اور امکان ذاتی کا اعتبار چھ خاتم النبیین بالفعل ثابت کر بیٹھے اور امکان ذاتی کے باعتبار تو کچھ حد ہی نہ رہی اور ان کا مرتبہ کچھ بڑے بھائی سے بڑا نہ رہا اور بڑی کوشش اس میں کی کہ حضرت (نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا علم شیطان لعین کے علم سے کہیں کمتر ہے اور اس عقیدے کے خلاف کو شرک ٹھہرایا۔

پھر ذات اقدس نبوی ہی پر اکتفا نہ کیا، ذاتِ اقدس الٰہی کی طرف بھی متوجہ ہوئے اور جناب باری تعالیٰ کے حق میں دعویٰ کیا کہ اللہ کا جھوٹ بولنا ممتنع بالذات نہیں بلکہ امکانِ جھوٹ بولنے کو اللہ تعالیٰ کی بڑی صفت کمال کی فرمائی نعوذ باللہ من ہذہ الخرافات۔ میں تو ان امور مذکورہ بالا کو بہت برا سمجھتا ہوں اور اپنے محبین کو منع کرتا ہوں کہ حضرت مولوی رشید اور اُن کے چیلے چانٹوں کے ایسے ارشادات

[1] تقدیس الوکیل، مطبوعہ لاہور، ص ۴۱۵

نہیں اور میں جانتا ہوں کہ مجھ پر بہت کچھ کھلم کھلا تبرا ہوگا لیکن جب جمہور علمائے صالحین اور اولیائے کاملین اور رسُول رب العالمین اور جناب باری جہل آفریں ان کی زبان اور قلم سے نہ چھوٹے تو مجھے کیا شکایت ہوگی۔" لہ

بھلانے پر بھی قصہ عہد ماضی
بھلایا نہ جائے گا ہم سے نہ تم سے

احقر نے قارئین کرام کی سہولت کے لیے یہ چودہ نکات پیش کر دیئے ہیں جن کے باعث حقیقت کے چہرے پر ڈالے ہوئے کتنے ہی تہ بر تہ پردے ہٹ گئے اور ہر منصف مزاج کو حقیقت اپنے اصلی رنگ و روپ میں چودھویں رات کے چاند کی طرح بے حجاب نظر آنے لگے گی۔ اگر احقر کی یہ چند معروضات ہی سامنے رکھی جائیں تو مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی کی المہند، مولوی حسین احمد صاحب ٹانڈوی کی الشہاب الثاقب، تمام علمائے دیوبند کی مشترکہ کاوشوں سے گھڑی ہوئی سیف النقی اور غایۃ المامول، دارالعلوم دیوبند کے ناظم تعلیمات مولوی مرتضیٰ حسن دربھنگی (المتوفی ۱۳۷۱ھ / ۱۹۵۱ء) کی توضیح البیان وغیرہ، دیوبندی حضرات کے مناظرِ اعظم مولوی محمد منظور نعمانی، ایں جہانی کا فیصلہ کن مناظرہ اور فتح بریلی کا دلکش منظر، مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کی بسط البنان، مولوی ثناء اللہ امرتسری غیر مقلد (المتوفی ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸ء) کے گالیوں سے لبریز مضامین اور مولوی محمد سرفراز صاحب گکھڑوی کی عباراتِ اکابر و باب جنت وغیرہ تصانیف سے ان مصنفین کی اسلام دشمنی، انصاف کشی، ضد، ہٹ دھرمی اور عناد بالکل صاف نظر آنے لگے گی۔ اللہ جل شانہٗ ابنائے زمانہ کو سچی ہدایت نصیب فرمائے۔ آمین۔

اکابر دیوبند نے اللہ اور رسُول (جل جلالہٗ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی شان پر حملہ کیا۔ ان مقدس بارگاہوں کے متعلق نازیبا اور گندے الفاظ لکھے اور گندے عقیدے شائع کیے تو یہ امر دیوبندی حضرات کے نزدیک نہ تو قابلِ اعتراض ہے اور نہ اس کے خلاف وہ کسی کو ایک لفظ بھی کہنے کی اجازت دے سکتے ہیں۔ بلکہ ان مغلظات کو اسلام کی رُوح ماننے اور تقویۃ الایمان، سراج الایمان، مصباح الایمان، نسیم حفظ الایمان منوانے پر مُصر رہتے ہیں۔

اگر کوئی صاحب علم مسلمان عظمت خدا اور ناموسِ مصطفےٰ کا دفاع کرنا ضروری سمجھے اور ان کی کوئی

لہ تقدیس الوکیل، مطبوعہ لاہور، ص ۱۹

بھی خلافِ دین و دیانت بات زبان یا قلم پر لے آئے تو یہ حضرات کسی مرحلے پر بھی اس سے درگزر کرنے کے روادار نہیں ہو سکتے۔ گویا ان حضرات کے نزدیک اب یہ ضروری نہیں رہا کہ کوئی خدا کا بندہ یا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمتی بن کر رہے، ان کی طرف داری کرے بلکہ دارالعلوم دیوبند کے تیار کردہ اسلام کا اوّلین رُکن یہ ہے کہ ایک مسلمان کو علمائے دیوبند کا ہمنوا ہونا چاہیے اور اس کے بعد خواہ وُہ اللہ اور رسُول کو علمائے دیوبند کی طرح گالیاں بھی دیتا پھرے تب بھی اس کے مسلمان ہونے میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ بس ایسے لوگ مسلمان شمار ہوں گے اور جو اس زمرے سے باہر ہے وہ مشرک قرار پائیں گے، بدعتی کہلائیں گے اور کسی مرحلے پر بھی انھیں مسلمانوں میں شمار نہیں کیا جائے گا۔

جب علمائے دیوبند پورے خلوص اور کمال تقدس کے ساتھ کفر بیزی، گُفر خیزی اور کفر ریزی کر رہے تھے تو علمائے اسلام سے یہ جُرم سرزد ہوگیا کہ انہوں نے ان حضرات کے بالمقابل اللہ اور رسول کی شان کا دفاع کرنا شروع کر دیا۔ ان دنوں علمائے اہلِ حق سے جس نے اس جُرم کا سب سے بڑھ کر ارتکاب کیا وُہ ہے امام احمد رضا خاں بریلوی کی ذاتِ بابرکات، موصوف کو پروردگارِ عالم نے چودھویں صدی میں سرمایۂ ملت کی نگہبانی پر مقرر فرمایا تھا اور اس صدی کا مجدد بنایا تھا اس لیے وہ بھی اپنی جگہ پر اس مُجرم کا ارتکاب کرنے پر مجبور اور مامور تھے۔

فاضلِ بریلوی کا یہ ایسا فعل ہے جس کے باعث علمائے دیوبند نے انھیں آج تک معاف نہیں کیا اور انہیں سبّ و شتم کا نشانہ بناکر ہر دیوبندی، خواہ وہ عالم ہو یا جاہل، وزیر ہو یا در بدر پھرنے والا فقیر، بہر حال اساطینِ دیوبند کی بارگاہوں میں سُرخرو ہونے کی کوشش ضرور کرتا ہے خواہ اللہ تعالےٰ اُسے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت میں شمار کرے یا نہ کرے، ایمان کی دولت اس کے پاس رہے یا نہ رہے لیکن اکابر دیوبند کی محبت اور عقیدت اور امام احمد رضا بریلوی کی نفرت و عداوت کا دل میں ہونا ضروری ہے۔ اسی ضرورت کے تحت ان حضرات کے لیے فاضل بریلوی کو مطعون کرنا، بہتان باندھنا اور ان پر الزامات عائد کرنا ایسا ہی ضروری ہوگیا ہے جیسا کہ روافض نے حضرات خلفائے ثلاثہ پر تبرا کرنا اپنے دین کا رکن اعظم بنایا ہوا ہے حالانکہ چاہیے تو یہ تھا کہ اکابر دیوبند کفریہ عبارتیں نہ لکھتے، کفریات سے باز آجاتے اور ان کی نشر و اشاعت

نہ کرتے اور جب وہ ایسا کر لیتے تو فاضل بریلوی کو ان کی تکفیر کا شرعی فریضہ ادا ہی نہ کرنا پڑتا یعنی،

نہ وہ کفر کرتے نہ تکفیر ہوتی
رضا کی خطا اس میں سرکار کیا ہے

گکھڑوی صاحب کی مزاج پرسی

جیسے اساطین دیوبند کی طرح ہر دیوبندی عالم کی دین و دیانت اور انصاف وصداقت سے ہمیشہ دشمنی رہی ہے۔ اسی دیوبندگی کے نشے سے چکنا چور ہو کر آج کل مولوی ابوالزاہد محمد سرفراز خاں صاحب صفدر گکھڑوی کچھ زیادہ ہی اچھل کود رہے ہیں۔ معلوم کچھ ایسا ہوتا ہے کہ موصوف دوسروں سے کچھ زیادہ ہی پی بیٹھے ہیں، ان کی علمائے اہلسنت اور خصوصًا اعلیٰ حضرت، مجدد دین وملت، امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ پر الزامات وبہتانات کی دھواں دھار بمباری کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موصوف تو اپنے اسلاف کے بھی کان کترتے جا رہے ہیں۔ گکھڑوی صاحب اگر اپنی تصانیف میں اہلسنت وجماعت پر ناجائز حملے نہ کرتے تو ہمیں کیا ضرورت پڑی تھی کہ انہیں خواہ مخواہ مخاطب کرتے لیکن موصوف کی رنگینیاں اور لن ترانیاں نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ مثلاً انہوں نے اپنی مخصوص ترنگ میں کس ٹھاٹ باٹ سے لکھا ہے:۔

مولوی احمد رضا خاں کا مزاج نہایت جذباتی اور طبیعت بیحد غلو پسند اور متعصبانہ تھی۔ ان کی عبارات میں اس امر کا واضح ثبوت موجود ہے، اپنے مخالفین اور خصوصًا علماء دیوبند کی تکفیر میں جو طریق انہوں نے اختیار کیا ہے عالم تو درکنار دنیا کا کوئی شریف انسان بھی اس کو اختیار نہیں کر سکتا کہ ان کی مراد اور نیت کے خلاف ان کی عبارات کا مطلب از خود تراشے اور بزور کشید کر کے اُن پر کفر کا فتویٰ لگائے اور پھر ان کی تکفیر نہ کرنے والوں بلکہ شک کرنیوالوں کو بھی کافر قرار دے۔ حالانکہ اکابر علماء دیوبند چلا چلا کر کہتے رہے ہیں کہ جو مطلب تم نے بیان کیا ہے یا تم مراد لے رہے ہو، ہماری ہرگز وہ مراد نہیں اور نہ ہم اس معنی کو صحیح سمجھتے ہیں بلکہ ہم بھی اس کو کفر سمجھتے ہیں۔ انصاف اور دیانت کا تقاضا تو

یہی تھا کہ خان صاحب اس کے بعد اُن کی تکفیر سے باز آجاتے اور علمائے دیوبند سے معافی مانگ لیتے کہ میں نے غلط سمجھا تھا اور میں اب اپنے سابق غلط فتویٰ سے رجوع کرتا ہوں لیکن خان صاحب نے مرتے دم تک اپنی ضد نہیں چھوڑی اور اکابر علماء دیوبند کی ناروا تکفیر سے باز نہیں آئے۔ ان کی چند عبارت ملاحظہ کریں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔ عہ غلام احمد قادیانی اور رشید احمد اور جو اس کے پیرو ہوں جیسے خلیل احمد انبیٹھی اور اشرف علی وغیرہ ان کے کفر میں کوئی شبہ نہیں، نہ شک کی مجال، بلکہ جو اُن کے کفر میں شک کرے، بلکہ کسی طرح کسی حال میں انہیں کافر کہنے میں توقف کرے اس کے کفر میں بھی شبہ نہیں (حسام الحرمین ص۱۳۱، فتاویٰ افریقہ ص۱۰۹)۔ [1]

اگر گکھڑوی صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ وہ معاندلی اور سینہ زوری سے اپنے اکابر کی کفریہ عبارتوں کو اسلامی ثابت کر لیں گے تو یہ اُن کی بھول ہے کیونکہ جسطرح رات کبھی دن نہیں ہو سکتی اسی طرح کفر کبھی اسلام ثابت نہیں ہو سکتا۔ اگر علمائے دیوبند کو اپنی نجدیا اور غیر متعصب برٹش گورنمنٹ اور قرار اور سراسر بُت پرست گاندھوی سرکار سے وظیفوں اور نذرانوں کے بدلے اسلام دشمنی اور حق وصداقت کا منہ چڑانے کی ڈیوٹی ملی ہوئی ہے تو بفضلہ تعالیٰ اہل حق کو حق وصداقت کا علم بلند رکھنے اور عظمت خداوندی اور ناموس مصطفوی کا دفاع ان حضرات کی ذمہ داری ہے جسے وہ قیامت تک ادا کرتے رہیں گے اور وہ اپنا فریضہ ادا کرنے سے کبھی نہیں رک سکتے خواہ ان کے راستے میں میدان کربلا آئے یا قلعہ گوالیار۔ لہٰذا

ہاں چاہتے ہیں کہنا کچھ اپنی لے میں ہم بھی
نغمہ نوروز کہہ دے اب ساز لن ترانی

---

[1] عبارات اکابر مطبوعہ لاہور، بار اول ۱۳۹۲ھ، ص ۱۸ تا ۲۰

چل مرے خامہ بسم اللہ

اوّلاً۔ مجدد مائۃ حاضرہ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی علمائے ہند کے علاوہ علمائے حرمین طیبین نے تائید و تصدیق کی نیز ان حضرات کے پاکیزہ تاثرات اور اعزاز و اکرام کے الفاظ فتاویٰ الحرمین، حسام الحرمین، الدولۃ المکیۃ، الاجازات المتینۃ اور کفل الفقیہ وغیرہ کتب و رسائل میں موجود ہیں جن کی ایمان افروز، خارجیت سوز جھنکار سے سارا عالم اسلام گونج رہا ہے۔ اگر اس میں ذرا بھی بناوٹ ہوتی تو علمائے حرمین کو یہ مطبوعہ کتابیں دکھا کر ان حضرات سے تردید کروائی جا سکتی تھی جب مخالفین کسی تصدیق کرنے والے کی یا مدنی عالم سے ایسا ایک بیان بھی حاصل نہیں کر سکے تو مجددِ دین زمانہ کا فاضل بریلوی کے خلاف شور مچانا کسی منصف مزاج کے نزدیک کرتے کی بے مقصد کائیں کائیں سے کتنا مختلف ہو سکتا ہے؟

ثانیاً۔ اکابر دیوبند نے خود کفریہ عبارتیں لکھیں، خود انہیں سالہا سال تک شائع کرتے رہے۔ علمائے اہلسنت کی جانب سے متواتر مؤاخذہ ہوتا رہا، رد و تردید میں ملک کے گوشے گوشے سے کتب و رسائل شائع ہوئے۔ اعلیٰ حضرت بھی تحریری طور پر ان حضرات کو سمجھاتے اور کفریات کو برابر واضح کرتے رہے۔ جب دیکھا کہ وہ اپنے کفریات پر مُصر ہیں اور اس کے باوجود کہ وہ اپنی ہی عبارت میں کوئی اسلامی پہلو نہیں دکھا سکے، پھر بھی عبارتوں کو بدل کر اسلامی بنانے اور اُن سے رجوع کرنے پر آمادہ نہیں ہیں تو مسلمانوں کو اُن کے کفریات میں ملوث ہو کر ایمان کی دولت برباد کرنے سے بچانے کی خاطر اکابر دیوبند کی تکفیر کا شرعی فریضہ ادا کرنا پڑا۔ یہ سب کچھ عظمتِ خداوندی اور ناموسِ مصطفیٰ کے دفاع میں اہلِ اسلام کی خیر خواہی کے لیے کیا۔

فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ دیوبندی حضرات کسی مرحلے پر اسے معاف کرنے کے روادار نہیں ہو سکتے بلکہ اس کے باعث عباراتِ اکابر کے مصنف کو تو چودھویں صدی کا مجدد اور سرمایہ ملت کا نگہبان ایک شریف انسان ہی نظر نہیں آتا۔ اکابر دیوبند نے اللہ اور رسول کو گالیاں دیں تو انہیں توبہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی بلکہ جس نے یہ ثابت کیا کہ ان لوگوں نے اللہ و رسول کو گالیاں دے کر اپنے دین و ایمان کا بیڑہ غرق کر لیا ہے، اُسے چاہیے تھا کہ علمائے دیوبند سے معافی مانگ کر یہ عہد کر لیتا کہ آئندہ آپ اللہ و رسول کو جتنی چاہیں گالیاں دیں لیکن میں نہیں بولوں گا۔ جتنے مسلمانوں کو چاہے کفر کے سمندر میں ڈبو دیجئے لیکن میں آپ حضرات کے تقدس میں چھپے ہوئے کفریات کے پردے نہیں کھولوں گا۔

اکابر دیوبند نے اللہ و رسول کو مغلظات سنائیں لیکن دیوبندی حضرات کے نزدیک وہ شریف انسان ہی نہیں بلکہ شرافت کے پیکر اور اسلام کے ایسے علمبردار تھے کہ اسلام قائم ہی اُن حضرات کے دم قدم سے تھا۔ افسوس! جن حضرات نے انصاف و دیانت کا یوں سر بازار خون کر دیا ہو وہ چاہیں تو اللہ اور رسول کی شان پر حملہ کرنے والوں کے سر پر بزرگی کا تاج رکھیں اور چاہیں تو عظمت خداوندی و شانِ مصطفوی کا دفاع کرنے والوں کو ملزموں کے کٹہرے میں کھڑا کر دیں کیونکہ جو اپنے اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کا ہو رہا اُس نے ہر بات کو اسی زاویۂ نظر سے دیکھنا ہے جبکہ ایک مسلمان کا زاویہ نظر اَلْحُبُّ فِی اللّٰهِ وَ اَلْبُغْضُ فِی اللّٰهِ ہوتا ہے۔ یہ دونوں نظریے متضاد ہیں اور اجتماع ضدین محال ہوتا ہے، دریں حالات:

بنے کیونکر کہ ہے سب کار اُلٹا

ہم اُلٹے، بات اُلٹی، یار اُلٹا

جو حضرات دیوبندیت و بریلویت کے خول سے باہر نکل کر اور ایں و آں کی نفرت و محبت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے صرف اللہ جل شانہٗ کے بندے اور نبی آخر الزمان سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی بن کر ان کفریہ عبارتوں کو بغور دیکھیں تو ہر منصف مزاج کو آفتاب نیمروز کی طرح یہی نظر آئے گا۔

وفا کے بھیس میں بیٹھے تھے پاپیوں بے وفا ہو کر

ثالثاً۔ مصنف صاحب کا یہ کہنا کہ: "اکابر دیوبند چلا چلا کر کہتے اور لکھتے رہے ہیں کہ جو مطلب تم نے بیان کیا ہے یا جو تم مراد لے رہے ہو ہماری ہرگز وہ مراد نہیں۔"

گکھڑوی صاحب! ذرا عباراتِ اکابر کے مصنف سے کہیے تو سہی کہ وہ کفریہ عبارتیں اردو زبان کی ہیں کوئی لاطینی یا عبرانی زبان کی نہیں ہیں کہ ان کے سمجھنے والے ہی نایاب ہوں۔ ہر پڑھا لکھا انسان ان عبارتوں کا مفہوم آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ علاوہ بریں وہ کوئی پہیلیاں یا بجھارتیں نہیں ہیں کہ گتھیاں سلجھانی پڑیں گی بلکہ سیدھی سادی عبارتیں ہیں اور ان عبارتوں کے وہی مفہوم و مطالب لیے جا سکیں گے جو ہر عاقل و مُنصف کے نزدیک ان عبارتوں سے نکل رہے ہیں۔ اگر کوئی خطل کہے اور بتائے کہ میری مراد مالٹا ہے یا کہ آکھائے اور کبوتر بتائے تو ایسی شعبدہ بازی کسی عاقل کے نزدیک کب قابلِ قبول ہے؟ ایسی مراد کوئی چلا چلا کر بتائے یا دیواروں سے ٹکریں مار کر کہے پھر بھی نامراد ہی رہے گا کیونکہ مفہوم کا عبارت کے اندر ہونا ضروری ہے۔

اگر ان اکابر دیوبند کا مقصدِ حیات کافر گری ہو کر نہیں رہ گیا تھا تو وہ عبارتیں آسمانی وحی نہیں تھیں کہ ان میں تبدیلی نہیں کی جا سکتی تھی بلکہ چند مولویوں کی عبارتیں تھیں اور فریق ثانی کا مطالبہ بھی تھا کہ ان کا مفہوم کفریہ ہے لہٰذا انھیں بدل کر اسلامی بنا لیجیے۔ اگر نیت میں کھوٹ نہ ہوتا اور کسی کے ہاتھوں میں چوں قلم در دستِ کاتب نہ ہو گئے ہوتے تو چند لفظوں کی تبدیلی میں رکاوٹ کیا تھی؟ ان عبارتوں کو خود یا ہل جُل کر تبدیل کر لیتے تو سارا قضیہ ہی ختم ہو جاتا اور اُن مہربانوں کی بھڑکائی ہوئی فتنہ فساد کی آگ اُسی وقت بجھ جاتی جس نے مسلمان کہلانے والوں کے خرمنِ اتحاد میں آگ لگائی ہوئی ہے اور متعیانِ اسلام آج تک اہلِ سنت وجماعت کہلانے کے باوجود آپس میں دست و گریبان چلے آتے ہیں۔

اگر اکابر دیوبند ایسا کر لیتے اور اس کے باوجود مواخذہ کرنے والے باز نہ آتے تو ہر عاقل یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا کہ معترضین کی نیت ہی کھوٹ ہے اور وہ مخالفت برائے مخالفت کر رہے ہیں۔

دُنیا نے دیکھا کہ اکابر دیوبند مرتے وقت تک اپنی کفریہ عبارتوں کو اسلامی بنا لینے پر آمادہ نہیں ہوئے اور عمر بھر اختلاف کی آگ کو بھڑکاتے اور مسلمانوں کے خرمنِ اتحاد میں آگ ہی لگاتے رہے

دریں حالات کون یہ سمجھنے پر مجبور نہیں ہوگا کہ وہ حضرات ظاہری تقدس کے بارے میں چھپ کر تخریبِ دین و افتراقِ بین المسلمین کے لیے وقف ہو کر رہ گئے تھے۔

رابعاً۔ عباراتِ اکابر کے مصنف نے جو لکھا ہے کہ فلاں صورتِ حال کے بعد خانصاحب بریلوی کو چاہیے تھا کہ علمائے دیوبند سے معافی مانگ لیتے اور اپنے فتوے سے رجوع کر لیتے۔

گکھڑوی صاحب اپنے اونچی چوٹی کے مصنف کو بتا دیجیے کہ حضور والا! اگر آج بھی آپ اپنے اکابر کی کفریہ عبارتوں کو اسلامی ثابت کر دیں تو اختر شاہجہان پوری وعدہ کرتا ہے کہ وہ اخبارات و رسائل میں یہ اعلان شائع کروائے گا کہ علمائے دیوبند کی تکفیر میں امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے غلطی واقع ہو گئی تھی۔ اس کے برعکس مصنف صاحب اپنے اونچی چوٹی اور گاندھوی لنگوٹی کے سارے دیوبندی علماء کے تعاون سے بھی ان عبارتوں کو اسلامی ثابت نہ کر سکیں تو اپنے نانوتوی گنگوہی، انبیٹھوی اور تھانوی اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ کو ترک مان کر مسلمان ہونا پڑے گا اور اخبارات و رسائل میں یہ اعلان شائع کروانا پڑے گا کہ اپنے ان فلاں فلاں مولویوں کو ہم آج تک بزرگ مانتے رہے لیکن ہم پر واضح ہو گیا ہے کہ وہ چاروں تو اسلام و مسلمین کے پرا سرار دشمن ہو کر اسلام کے دائرے سے برضا و رغبت نکل گئے تھے۔

گکھڑوی صاحب! اگر آپ کے بلند بانگ مصنف صاحب ایسی تحریر دینے کے لیے تیار ہوں تو جلد از جلد بسم اللہ کریں اور ٹھنڈے دل و دماغ سے، افہام و تفہیم کی خاطر اس عاجز کے ساتھ تحریری گفتگو کا سلسلہ شروع کر دیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ دنیا دیکھ لے گی کہ آپ کے مصنف صاحب اور اُن کی ساری دیوبندی برادری کے جملہ بلند بانگ دعاوی کے سارے جوہر کھل جائیں گے۔ حق و باطل ایسا کرنے سے میزانِ تحقیق و انصاف پر تُل جائیں گے اور علمی دھاندلی کرنے والوں کو معلوم ہو جائے گا:

فلک کو ابھی دل جلوں سے پڑا کام نہیں
جلا کے خاک نہ کر دوں تو داغ نام نہیں

گکھڑوی صاحب! شاید آپ کے مصنف صاحب نے یہ باطل سوز شعر آج تک سنا نہیں ہے۔

ے کلکِ رضا ہے خنجرِ خونخوار برق بار
اعداء سے کہدو خیر منائیں نہ شر کریں

خامساً۔ گکھڑوی صاحب! ذرا عباراتِ اکابر کی مذکورہ پیش کردہ عبارت ملاحظہ فرمائیے۔ اس عبارت کا خط کشیدہ حصہ موصوف نے حسام الحرمین صفحہ ۱۳۱ اور فتاویٰ افریقہ صفحہ ۱۰۹ سے نقل کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت ہے۔

جنابِ عالی! ذرا حسام الحرمین اور فتاویٰ افریقہ میں اس عبارت کو ایک مرتبہ اور دیکھ لیجئے۔ اگر یہ عبارت فاضل بریلوی کے بجائے علمائے مکۂ مکرمہ سے محافظِ کتبِ حرم اور اسلام کے بطلِ جلیل، علامہ سید اسمٰعیل بن سید خلیل مکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء) کی تقریظ کے ان لفظوں کا ترجمہ ہو جن کے ذریعے موصوف نے اکابرِ دیوبند کے بارے میں حکمِ شرع بیان فرمایا تھا، تو اپنے قبیلے کے اونچی چوٹی کے مصنف صاحب کو اس علمی خیانت کی دل کھول کر داد تو دے دینا، جو اہلِ حق کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جھوٹ بول رہے ہیں، مطلقاً اس کرتوت پہ نہیں شرماتے اور نہ ارشادِ خداوندی لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ کو ذرا بھی خطرے میں لاتے ہیں۔ گکھڑوی صاحب! کیا ایسا دروغ گو اور گندم نما جو فروش از روئے شرع مردود الشہادۃ اور ناقابلِ اعتبار نہیں ہوتا؟ کیا حق و باطل کا فیصلہ کرنا ایسے ہی فنکاروں اور شعبدہ بازوں کا کام ہے؟

سادساً۔ علامہ سید اسمٰعیل بن سید خلیل مکی رحمۃ اللہ علیہ کے اظہارِ حق سے معلوم نہیں سومناتِ نجد کے ہر دیوتا کا بند بند کیوں کانپ اٹھتا ہے؟ کیوں اُن کی عبارتوں کو دوسروں کے سر منڈھنے کا فراڈ کیا جاتا ہے؟ حالانکہ علامہ موصوف تو حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی فرزند تھے، جن کے ساتھ علمائے دیوبند اپنا روحانی رشتہ بڑے فخر سے ثابت کرنے میں کوشاں رہتے ہیں۔ کہیں وہ رشتہ ناطہ محض ہاتھی کے دکھانے والے دانت تو نہیں ورنہ

خوفِ خدا اور شرمِ نبی کے باعث نہ سہی لیکن قبلہ حاجی صاحب کی علمی بارگاہ کا تحفہ سمجھ کر ہی علامہ موصوف کے فیصلے کو تسلیم کر لیتے۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ حضرات علمائے دیوبند کے سامنے وہ کونسی مصلحت تھی جو ان کو حق کے قبول کرنے سے باز رکھے ہوئے تھی جس کے باعث ان مہربانوں میں یہی مردانگی اور دینداری رہ گئی تھی کہ جیتے جی حق کو باطل اور باطل کو حق بتلاتے رہے۔
دریں حالات:

کہنے کو ان سے کہہ رہا ہوں حالِ دل مگر
ڈر ہے کہ شانِ ناز پہ شکوہ گراں نہ ہو

سابعاً۔ مصنف صاحب یہ بھی تاثر دے رہے ہیں کہ اللہ اور رسول (عزّ جلالہٗ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو گالیاں دینے والے ان چاروں علمائے دیوبند کو صرف چند بریلوی علماء ہی کافر سمجھتے ہیں اور ان کے نزدیک اکثر علمائے اہلسنت نے ان کی تکفیر نہیں کی اور توقف کرنے والے تو بیشمار تھے۔

گکھڑوی صاحب! ذرا عباراتِ اکابر کے مصنف کی عقل کے ناخن تو لیجئے۔ علمائے پاک و ہند کی تصدیقات پر مشتمل الصوارم الہندیہ نامی کتاب آپ نے یقیناً پڑھی ہوگی، کیا وہ دو سو اڑسٹھ[۲۶۸] علمائے کرام بھی چند ہیں؟ حالانکہ ہم اس تعداد کو بفضلہٖ تعالیٰ کئی گنا بڑھا بھی سکتے ہیں۔ لیکن ہماری فہرست کے علماء تو سینکڑوں کی تعداد میں بھی چند ہی شمار ہونگے لہٰذا ہم مصنف صاحب کی فہرست ہی دیکھنا چاہتے ہیں تاکہ ہمیں بھی معلوم ہو جائے کہ واقعی تکفیر نہ کرنے والے علماء بیشتر اور توقف کرنے والے تو بیشمار نکل آئے۔ دیکھتے ہیں کہ مصنف کی طرف سے اُن بیشتر اور بیشمار علماء کی فہرستیں کب تک منظرِ عام پر آتی ہیں:

ے خیالِ خاطرِ احباب چاہیے ہر دم
انیسؔ ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

مصنف صاحب نے اپنی دوسری تصنیف میں مفتی احمد یار خاں بدایونی گجراتی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۳۹۱ھ / ۱۹۷۱ء کو للکارتے ہوئے خوب جوانمردی دکھائی اور پیش خویش اپنے

اکابر کا سارا قرضہ چکا دیا۔ جو فرما دیا اُسے حرفِ آخر سمجھ لیا، جتنے مغالطے دیئے انہیں اب جنت سمجھا، جتنا آسمان کی طرف تھوکا اُسے دوسروں کے منہ میں گرتا ہوا سمجھا، جتنی چاند کی طرف دھول اُڑائی اُسے تحقیق کا جوہر قرار دے کر سمجھ بیٹھے کہ آسمان میں تھگلی لگا دی ہے اب ان کی ڈیڑھ گرہ کوئی کھول نہیں سکے گا۔ ان کی اپنی عبارت کے تیور تو ملاحظہ ہوں:۔

مفتی صاحب نے دیوبندی مظلوموں پر کفر و ارتداد کا ظالمانہ نشتر چلاتے ہوئے بے دھڑک علمائے عرب و عجم کا نام استعمال کیا ہے۔ یہ بھی مفتی صاحب کی انتہائی خیانت ہے بات اصل میں یہ تھی کہ انگریز کے زمانے میں ایک خاص مصلحت کے پیشِ نظر مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے اکابر علمائے دیوبند کی عبارات کو قطع و برید کر کے علمائے حجاز سے ان کے خلاف فتویٰ لیا اور حسام الحرمین کے نام سے وُہ شائع کیا تھا۔ لیکن جب اکابر علمائے دیوبند کو اس مکاری کا علم ہوا تو حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے اپنے اور اپنے اکابر کے عقائد لکھ کر علمائے حرمین اور شام و فلسطین وغیرہ کو بھیجے۔ انہوں نے وُہ پڑھ کر خانصاحب بریلوی پر صد نفرین کی اور اکابر علمائے دیوبند کو پکا مسلمان اور سُنی مسلمان کہا اور ان اکابر کے عقائد اور علمائے حرمین وغیرہ کے فتوے کتاب المہند علی المفند میں مذکور ہیں جو ۱۸ شوال ۱۳۲۵ھ سے مسلسل کئی بار طبع ہوئی اور اب صرف اردو میں عقائد علمائے دیوبند کے نام سے متعدد مقامات سے وہ کتابچہ شائع ہو چکا ہے اور اس کے بعد حرمین اور عرب و عجم ممالک کے کسی معتبر عالم نے دیوبندیوں کی ہرگز تکفیر نہیں کی۔ اگر مفتی صاحب میں دم خم ہے تو اس کے بعد کے علمائے حرمین اور عرب کی المہند علی المفند کی طباعت کے بعد کی تکفیر بتاتے اور اب بھی ہمت ہے تو بتا دیں:۔ ؎۱

گکھڑوی صاحب! آپ نے مصنفِ باب جنت کے بلند بانگ دعاوی ملاحظہ فرمائے ان کی ڈینگیاں اور لن ترانیاں سُن لیں۔ بس جو کچھ انہوں نے فرما دیا گویا وہ ثابت ہو گیا کیونکہ ان کے ارشادات کو کسی ثبوت کی ضرورت بھی کیا ہے اور آخر لوحِ محفوظ سے وہ کونسے دور رہتے ہیں کہ کسی خارجی ثبوت کی ضرورت پیش آئے۔ بہر حال محض احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کی خاطر یہ فقیر اپنے ربِ قدیر اور اس کے حبیب بشیر و نذیر (جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

؎۱ باب جنت، مطبوعہ لاہور، طبع اوّل، ص ۳۶۔

کی تائید و اعانت کے بھروسے پر میدانِ تحقیق میں قدم رکھتا اور یہ کہتا ہوا اپنے رہوارِ قلم کو اذنِ خرام دیتا ہے:۔

غزل اس نے چھیڑی مجھے ساز دینا
ذرا عمرِ رفتہ کو آواز دینا

گکھڑوی صاحب! آپ ذرا باب جنت کے مصنف کو بتا دیں کہ اے ساتھی! ابرہہ کے ہاتھی! وہ دیکھ خدائی فوجِ ظفر موج کا ایک ابابیل (اختر شاہجہان پوری) آج آیاتِ محکمہ، سنتِ قائمہ اور فریضۂ عادلہ کی تین کنکریاں لے کر عین آنجناب معلی القاب کی نجدی چندیا پر سندھلا رہا ہے۔ اب حضورِ والا بھی کعصفٍ مّاکولٍ ہونے کے لیے تیار ہو جائیں۔ پھر نہ کہنا کہ مجھے تو خبر ہی نہ ہوئی۔

اوّلاً۔ مصنف صاحب خود تو فرمائیں کہ علمائے دیوبند نے خود ہی برضا و رغبت غیر اسلامی روش اختیار کی کہ مسلمان کہلانے اور صاحبانِ جُبہ و دستار ہونے کے باوجود اللہ اور رسول کو گالیاں دیں، خود ہی ان گالیوں اور سراسر غیر اسلامی عقیدوں کو بڑے اہتمام سے شائع کرتے رہے۔ ان حالات میں علمائے اہلسنت کے سمجھانے بجھانے، خوفِ خدا اور خطرہ روزِ جزا یاد دلانے کے باوجود بھی ان کفریہ عبارتوں کو اسلامی بنانا گوارا نہ کیا اور نہ جیتے جی ان کفریہ عبارتوں سے توبہ کی۔ اس پر علمائے عرب و عجم نے تو ازراہِ خیر خواہی صرف مسلمانوں کو خبردار کیا تھا کہ فلاں فلاں حضرات غیر اسلامی راستے پر گامزن ہو کر رہنما کی جگہ رہزنِ دین و ایمان ہو گئے ہیں لہٰذا ان کے پیچھے لگ کر اپنے ایمان کی متاعِ عزیز ضائع نہ کر بیٹھنا۔ یہ اللہ اور رسول کی طرف سے مسلمانوں کی خیر خواہی میں فرض عاید ہوتا تھا جو اُن حضرات کو ادا کرنا چاہیئے تھا۔ باب جنت کے مصنف کو شکایت ہے کہ مسلمانوں کو خبردار کرنے والے علماء نے اپنا شرعی فریضہ کیوں ادا کیا؟ اُن کے اَرْبَاباً مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ کو سرِ بازار ننگا کیوں کیا، ان کے چہروں پر ظاہری تقدس کی پڑی ہوئی نقاب ہٹا کر اُن پانچوں حضرات کے مکروہ چہرے ساری دنیا کو کیوں دکھائے؟ گویا اللہ اور رسول کو گالیاں اور انہیں پورے اہتمام سے

شائع کرنا ترقیٔ درجات کا زینہ تھا۔ عظمتِ خداوندی اور ناموسِ مصطفوی پر حملہ کرنے کا
اُن حضرات کو پیدائشی حق حاصل تھا اور ایسا کرنے سے اُن کے دین و ایمان کی صحت پر کوئی
بُرا اثر نہیں پڑا بلکہ اُن کی بزرگی کے آسمان میں گویا اور چار چاند لگ گئے۔

کاش! اہلِ جنت کے مصنف نے اس تصادم کے دونوں فریقوں کا پہلے تعین کر
لیا ہوتا تاکہ معاملے کو سمجھنے میں آسانی ہو جاتی۔ آیئے ہم بتاتے ہیں کہ اس تصادم کا فریقِ
اوّل اکابر دیوبند ہیں جنہوں نے اللہ اور رسُول کی شان پر ناپاک حملے کیے۔ فریقِ ثانی اللہ
اور رسُول ہیں جن کی شان پر حملے ہوئے۔ کیا مصنف صاحب کلیجے پہ ہاتھ رکھ کر بتانے کی
جرأت کریں گے کہ وہ فریقین میں سے کس کو ظالم سمجھتے ہیں؟ کاش! دیوبندی حضرات یہ فیصلہ
دنیا میں ہی کرلیں تو سب سے زیادہ خود اُن کا اپنا بھلا ہوگا کہ وہ عقبیٰ میں عاقبت برباد کرنے
کے وبال سے بچ جائیں گے واللہ ولی التوفیق

اگلا مرحلہ فریقین کی حمایت اور طرف داری کرنے والوں کا ہے۔ اکثر علمائے کرام نے
اللہ اور رسُول کا حمایتی بن کر حملہ آوروں سے مقابلہ کرنا اپنا اسلامی اور ایمانی فریضہ شمار کیا اور
اس فرض کے ادا کرنے میں وہ اپنی پوری صلاحیتیں بروئے کار لے آئے جبکہ بعض صاحبانِ جبّہ و دستار
بھی تھے اور ہیں کہ جنہوں نے عظمتِ خداوندی اور ناموسِ مصطفوی کو نظر انداز کرتے ہوئے
اللہ اور رسُول کے دشمنوں یعنی اپنے حملہ آوروں کا ساتھ دینا ضروری سمجھا۔ اللہ اور رسُول کے
خلاف صف آراء ہونا منظور کر لیا لیکن اپنے أَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کی حمایت سے
دست بردار ہونا کسی مرحلے پر بھی پسند نہیں ہے۔

اس قضیے کو صرف علمائے دیوبند اور امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف قرار
دینا محض ایک مغالطہ ہے کیونکہ یہ اس المناک کتاب کا ایک باب تو ضرور ہے لیکن اس تصادم
کی بنیاد تو یہی ہے کہ اکابر دیوبند نے عظمتِ خداوندی اور ناموسِ مصطفوی پر حملے کیے اور
جب تک وہ دنیا میں زندہ رہے تو اپنی اس ظالمانہ اور غیر اسلامی روش سے ایک انچ
بھی نہیں ہٹے۔ اسی کے پیشِ نظر علمائے عرب و عجم نے اُن حضرات کی تکفیر کا شرعی فریضہ
ادا کیا تھا۔

اس حقیقت کو اگر مفتی احمد یار خاں رحمۃ اللہ علیہ نوکِ قلم پر لے آئے تو انہوں نے
کس جہالت کا مظاہرہ کیا؟ مفتی صاحب یا کسی بھی سُنّی عالم کو علمائے دیوبند پر ظالمانہ
تکفیر چلانے کی نہ اس سے پہلے کوئی ضرورت تھی اور نہ آج ہے بلکہ انسانی ہمدردی کے تحت
رونا تو اس بات کا ہے کہ اکابر دیوبند کو اپنی جانوں پر اتنا ظلم نہیں کرنا چاہیے تھا کہ چند کھوٹے
سکوں اور چند روزہ زندگی کے آرام و راحت کے بدلے کفر و ارتداد کے کڑوے پیالے
بڑی رغبت پی گئے اور ڈکار تک نہ لی۔ کاش! وہ ایسا نہ کرتے کیونکہ اسی المیہ کے باعث
اہلسنت کہلانے والے آپس میں دست و گریباں چلے آ رہے ہیں اور اُن حضرات کے
... کر ہزاروں لاکھوں مسلمان اپنے ایمان کی دولت کو برباد کر چکے ہیں واللہ یہدی
من یشاء الی صراطٍ مُستقیم۔

ثانیاً۔ مصنف صاحب اس عبارت کے ذریعے یہ تاثر بھی دینا چاہتے ہیں کہ امام
احمد رضا خاں بریلوی نے گویا حکومت کے ایماء پر علمائے دیوبند کی تکفیر کی تھی۔ حالانکہ مصنف
صاحب کا ایسا الزام ہے جس کی صحت پر وہ اپنی ساری زندگی میں ایک دلیل بھی قائم نہیں کر
سکیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ اُن پانچوں حضرات کی تکفیر محض اُن کی کفریہ عبارات اور غیر اسلامی
... و نظریات کے باعث ہوئی تھی۔ مصنف صاحب اس میں خواہ مخواہ سیاسی رنگ
... ا چاہتے ہیں۔ اگر اس تکفیر میں حکومتِ وقت کا ذرا سا اشارہ بھی ہوتا تو برٹش گورنمنٹ
... خود کاشتہ پودا یعنی مرزا غلام احمد قادیانی کی ہرگز تکفیر نہ کی جاتی۔ اس تکفیر نے تو انگریزی
... ت کو اتنا نقصان پہنچایا کہ شاید ۱۸۵۷ء کے بعد کی پوری نوّے سالہ تاریخ میں
... نقصان سب مل کر نہ پہنچا سکے ہوں کہ اس کی پُر اسرار شطرنج کے مُہرے مات
... وہ خود کاشتہ پودے جو تناور درخت ہو چکے تھے انہیں بریلی سے ایک مردِ حق ...
... اکھاڑ کر پھینک دیا۔ برٹش گورنمنٹ کے پُر اسرار جنرل ایجنٹوں کو ساری دنیا ...
... کر دکھایا۔

ثالثاً۔ ہو سکتا ہے کہ مصنف صاحب اس بات پر چیں بجبیں ہوں کہ اکابر دیوبند کو

مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح برٹش گورنمنٹ کے ایجنٹ کیوں کہدیا اور عین ممکن ہے کہ وہابی
حضرات کے شبانہ روز غلط پروپیگنڈے کے باعث بعض قارئین بھی ہمارے اس بیان سے
اتفاق نہ کریں۔ ایسے جملہ حضرات کی خدمت میں ہم خود علمائے دیوبند کی تصانیف ہی سے
چند عبارتیں پیش کر کے قارئین کرام سے انصاف کے طلب گار ہوں گے۔ دیوبندی حضرات
کی مشترکہ کوششوں سے تیار کی ہوئی مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کی سوانح حیات
میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے متعلق ایک واقعہ یوں مرقوم ہے:۔

"ایک مرتبہ ایسا بھی اتفاق ہوا کہ حضرت امام ربانی (مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی)
اپنے رفیق جانی مولانا قاسم العلوم (مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی) اور طبیب روحانی اعلیٰ حضرت
حاجی صاحب و نیز حافظ ضامن صاحب کے ہمراہ تھے اور بندوقچیوں (حریت پسندوں)
سے مقابلہ ہو گیا۔ یہ نبرد آزما جتھا اپنی سرکار کے مخالف باغیوں کے سامنے سے بھاگنے والا
یا ہٹ جانے والا نہ تھا۔ اس لیے اٹل پہاڑ کی طرح پرا جما کر ڈٹ گیا اور سرکار پر جاں نثاری
کے لیے تیار ہو گیا۔ اللہ رے شجاعت و جوانمردی کہ جس ہولناک منظر سے شیر کا پتہ پانی اور
بہادر سے بہادر کا زہرہ آب ہو جائے وہاں چند فقیر ہاتھوں میں تلواریں لیے جم غفیر بندوقچیوں
کے سامنے ایسے جمے رہے گویا زمین نے پاؤں پکڑ لیے ہیں۔ چنانچہ آپ (گنگوہی صاحب)
پر فیر ہوئی اور حضرت حافظ ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ زیر ناف گولی کھا کر شہید
بھی ہوئے۔" [1]

گنگھڑوی صاحب: ذرا باپ جنت کے مصنف سے پوچھئے تو سہی کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ
آزادی میں کیا یہ امام احمد رضا خاں بریلوی اور اُن کے آباؤ اجداد یا اساتذہ و مشائخ حریت
پسندوں سے مقابلہ کر رہے تھے یا مصنف کے وہ اپنے ہی "اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ" تھے؟
اپنی سرکار کے مخالف باغیوں سے لڑنیوالا اور اپنی سرکار پر جان قربان کرنیوالا گروہ بھلا کن فرائض پر مشتمل تھا ہو نہ ملک و ملت کے
[illegible] باغیوں، بدخواہوں اور جعفر بنگال و صادق دکن کے جانشینوں کے نام صفحۂ دل پر کو
[illegible] سے اور بوقت ضرورت کام آئے۔ گنگھڑوی صاحب! ذرا باپ جنت

[1] تذکرۃ الرشید، حصہ اول، مطبوعہ کراچی، ص ۷۴، ۷۵

مصنف سے اتنی اپیل تو کر دیجئے:۔

رہزنوں اور رہبروں کو غور سے پہچان کر
مولوی جی منصفی کرنا خدا کو مان کر

گنگھڑوی صاحب! باپ جنت کے مصنف کو بتا دیجئے کہ اگر انہوں نے اس تکفیر کے
[illegible]کے میں رنگ بھرنا ہی تھا تو انصاف و دیانت سے کام لیکر یوں بھرنا چاہیئے تھا۔
انگریزوں نے اپنی سیاسی مصلحت کے تحت وظیفوں اور نذرانوں سے مالا مال کر کے قادیانی
نانوتوی، گنگوہی، انبیٹھوی اور تھانوی صاحب سے کفریہ عبارتیں لکھوائیں۔ مقدس
شجرِ اسلام میں غیر اسلامی عقائد و نظریات کی قلمیں لگوائیں جن کے باعث ایک جانب مسلمان
اپنے ایمان کی دولت سے محروم ہونے لگے اور دوسری جانب آپس میں سر پھٹول ہونے
کے باعث اجتماعی قوت کمزور ہو گئی اور یوں برٹش گورنمنٹ نے اپنے ان پر اسرار ایجنٹوں
کے ذریعے اپنا سیاسی مقصد پورا کیا۔ اگر مصنف صاحب ایسا لکھتے تو ان کا بیان حقیقت
پر مبنی ہوتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ موصوف کو انصاف و دیانت سے [illegible] لگاؤ نہیں جتنا اپنے
"اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ" کی بارگاہوں میں نذرانۂ عقیدت [illegible] سے سروکار ہے۔

گنگھڑوی صاحب: آپ باپ جنت کے مصنف کو ان کے امام ربانی یعنی مولوی
رشید احمد صاحب گنگوہی آنجہانی کے بارے میں اُن کے سوانح نگار مولوی عاشق الٰہی
میرٹھی دیوبندی کا یہ فیصلہ کن اور واضح بیان تو سنا دیں جو میرٹھی صاحب نے
گنگوہی صاحب اینڈ کمپنی کے بارے میں بقلم خود لکھا ہے:۔

"جیسا کہ آپ حضرات (گنگوہی صاحب اینڈ کمپنی) اپنی مہربان سرکار کے دلی خیر خواہ
تھے تازیست خیر خواہ ہی ثابت رہے۔" [1]

گنگھڑوی صاحب! آپ نے مصنف باپ جنت کے "اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ" کا
حال ملاحظہ فرما لیا۔ لگے ہاتھوں مصنف صاحب سے اتنا تو پوچھ لیجئے کہ حضورِ والا! انگریز
جیسے اسلام کے ازلی دشمنوں، مسلمانوں کے بدخواہوں کو کونسے غدارانِ ملک و ملت اپنی مہربان

[1] تذکرۃ الرشید، حصہ اول، مطبوعہ کراچی، ص ۷۹

سرکار کہتے رہے ۔ وہ کونسے لصوص دین تھے جو برٹش گورنمنٹ کے دلی خیر خواہ رہے ۔ ان گندم نما جو فروش بدبختوں کے نام کیا ہیں جو مرتے دم تک انگریزی حکومت کی خیر خواہی میں ثابت قدم رہے تھے ۔ قلم چور مصنف صاحب کے منہ سے کچھ تو نکلوائیے کہ انگریز کا تا زیست دلی خیرخواہ رہنے والا احمد رضا خاں بریلوی تھا یا گنگوہی صاحب ایسے ہیں۔ اگر مصنف صاحب کی ابھی تسلی نہ ہوئی ہو تو انہیں سرکار گنگوہیت مآب کا اپنے متعلق یہ ذاتی بیان بھی سُنا دیجئے ۔

"جب میں حقیقت میں سرکار کا فرماں بردار ہوں تو جھوٹے الزام سے میرا بال بھی بیکا نہ ہوگا اور اگر مارا گیا تو سرکار مالک ہے ۔ اُسے اختیار ہے جو چاہے کرے ۔"[۱]

گکھڑوی صاحب : دیوبندی فوج کے جرنیل صاحب نے واشگاف لفظوں میں اپنی پوزیشن واضح کر دی ، صاف بتا دیا کہ میں تو برٹش گورنمنٹ کا فرماں بردار اور دلی خیر خواہ (ایجنٹ) ہوں ۔ ہم تو اپنی مہربان سرکار کے حضور یوں ہیں جیسے مُردہ غسال کے سامنے یا قلم کاتب کے ہاتھ میں ۔ مردے اور قلم کی کوئی مرضی نہیں ہوتی بلکہ مرضی اور اختیار کام کرتا ہے غسال اور کاتب کا وہ ہماری مہربان انگریزی سرکار ابد قرار ہے ۔ کاش کوئی باب جنت کے مصنف کو اس وقت یہ شعر سُنا دیے ۔

شعر
وہ شیفتہ کہ دھوم تھی حضرت کے زہد کی
میں کیا بتاؤں رات مجھے کس کے گھر ملے

گکھڑوی صاحب ! کیسے واشگاف الفاظ میں گنگوہی صاحب نے یہ وضاحت فرما دی تھی کہ میں حقیقت میں سرکار کا فرماں بردار ہوں اس کے باوجود اگر آپ کے سامنے کوئی انہیں برٹش گورنمنٹ کا مخالف بتائے تو اُسے لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ سنا دینا ۔ سر دست یہ بھی واضح کر دیا جائے کہ قیام پاکستان سے پہلے دیوبندی حضرات کا ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بارے میں نظریہ کیا تھا ۔ اس سلسلے میں گنگوہی صاحب کے سوانح نگار مولوی عاشق الٰہی میرٹھی نے اپنی دیوبندی برادری کی ترجمانی کا فریضہ یوں ادا کیا ہے ۔

---

[۱] تذکرۃ الرشید حصہ اول مطبوعہ کراچی ص ۸۰

"جن کے سروں پر موت کھیل رہی تھی انہوں نے کمپنی کے امن و عافیت کا زمانہ قدر کی نظر سے نہ دیکھا اور اپنی رحم دل گورنمنٹ کے سامنے بغاوت کا علم قائم کیا ۔"[۱]

گکھڑوی صاحب بے ذوق لوگوں کا تو ذکر ہی کیا لیکن کسی صاحب ذوق سے پوچھنا کہ ــــــ اپنی رحم دل گورنمنٹ ــــــ کمپنی کے امن و عافیت کا زمانہ ــــــ ان لفظوں کے اندر معانی کے جو اتھاہ سمندر ٹھاٹھیں مار رہے ہیں ان کا لحاظ رکھتے ہوئے انگریز بہادر کے ان پجاریوں کو حکومت کا مخالف اور ان کے مخالفوں کو خواہ مخواہ بغیر کسی ثبوت کے برٹش گورنمنٹ کا ایجنٹ بتانے سے مصنف صاحب کو کچھ تو شرم آجانی چاہیئے تھی ۔ راسخ العقیدہ مسلمانوں کو اگرچہ انگریزوں نے اپنے ظلم و جور کی چکی میں پیس رکھا تھا ، ایسٹ انڈیا کمپنی اگرچہ نواب سراج الدولہ اور سلطان ٹیپو شہید جیسے ملت اسلامیہ کے سپوتوں کی قاتل سہی لیکن جعفر و صادق کی ڈگر پر چلنے والوں کے لیے تو رحم دل گورنمنٹ ہی تھی اور اُس کا دورِ حکومت ایسے غداروں ، ملت اسلامیہ کے بدخواہوں کے لیے تو امن و عافیت ہی کا زمانہ تھا ــــــ کاش ! چند روزہ زندگی کے آرام و راحت اور لقمہ تر کے عوض وہ حضرات اپنے دین و ایمان کا سودا نہ کرتے اور مسلمانوں میں فتنہ و فساد کی ایسی آگ نہ لگاتے جو تا حال بجھنے میں نہیں آئی بلکہ وقت کے ساتھ اور بھڑکتی جا رہی ہے ۔ پاکستان کو قائم ہوئے اتنی مدت گزر گئی لیکن کسی حکومت نے اس آگ کو بجھانے اور کنوئیں میں پڑے ہوئے اس کتے کو نکال کر کنوئیں کا پانی پاک کرنے کی مخلصانہ کوشش نہیں کی ۔ بہر حال ، دین فروشی کے اس دور میں گھٹی فضاؤں کے اندر یہ آواز گونج رہی تھی ۔

شعر
اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

گکھڑوی صاحب ! باب جنت کے مصنف کو یہ واقعہ بھی سُنا دیجئے کہ ان کے مجدد ملت اور حکیم الامت یعنی مولوی اشرف علی صاحب تھانوی المتوفی ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء سے ان کے کسی معتقد نے سوال کیا کہ اگر آپ کی حکومت ہو جائے تو آپ انگریزوں سے کیسا سلوک کریں گے ۔ تھانوی صاحب کا تاریخی جواب آج تک ان لفظوں میں موجود ہے ۔

---

[۱] تذکرۃ الرشید ، حصہ اول ، مطبوعہ کراچی ، ص ۷۳

میں نے کہا محکوم بنا کر رکھیں گے کیونکہ جب خدا نے حکومت دی تو محکوم بنا کر ہی رکھیں
گے۔ مگر ساتھ ہی اس کے نہایت راحت و آرام سے رکھا جائے گا، اس لیے کہ انہوں
نے ہمیں آرام پہنچایا ہے [1]

تھانوی صاحب کے ان لفظوں میں کہ ۔۔۔۔۔۔ انہوں نے ہمیں آرام پہنچایا ہے"
حقیقت نفس الامری کا کیسا واضح اعتراف ہے دوسری جانب برٹش گورنمنٹ کے نمک حلال
ہونے اور شکر گزاری کا ثبوت پیش کرنے کی خاطر یہ وضاحت بھی فرمادی کہ آج ہم محکوم ہیں
لیکن بالفرض ہماری حکومت ہوجائے تو ہم اپنے ان محسنوں، کرم فرماؤں کو بھول لیں گے نہیں بلکہ
انھیں ہماری عملداری کے اندر نہایت آرام و راحت سے رکھا جائے گا۔ کیا موصوف کے اس
ذاتی اعتراف کے بعد بھی کسی ثبوت کی ضرورت رہ جاتی ہے کہ تھانوی صاحب برٹش گورنمنٹ
کے لیے وقف ہوکر رہ گئے تھے یا نہیں موصوف کے اس آرام کی کہانی کو سابق صدر دیوبند
یعنی علامہ شبیر احمد عثمانی (المتوفی ۱۳۶۹ھ / ۱۹۴۹ء) کی زبان سے سنیے جبکہ ۲۰ دسمبر ۱۹۴۵ء کو علمائے دیوبند کی
ایک خاص میٹنگ ہوئی کہ کانگرسی اور مسلم لیگی علمائے دیوبند میں مصالحت کروائی جائے۔ اس موقع پر
طرفین کے دیوبندی اکابر کی موجودگی میں علامہ عثمانی صاحب نے یہ حیرت انگیز انکشاف فرمایا جس
کی کوئی بڑے سے بڑا دیوبندی عالم بھی تردید نہ کرسکا۔ موصوف نے فرمایا تھا۔

دیکھئے مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے اور آپ کے مسلم بزرگ و
پیشوا تھے۔ اُن کے متعلق بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ اُن کو چھ سو روپیہ
ماہوار حکومت کی جانب سے دیئے جاتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے
تھے کہ گو مولانا تھانوی کو اس کا علم نہ تھا کہ روپیہ حکومت دیتی ہے۔ مگر حکومت
ایسے عنوان سے دیتی تھی کہ ان کو اس کا شبہ بھی نہ گزرتا تھا۔" [2]

گنگڑوی صاحب! چھ سو روپیہ ماہوار ملنے کی تو کسی سے تردید نہ ہوسکی۔ رہی عثمانی صاحب
کی یہ توجیہہ کہ تھانوی صاحب کو اس نذرانے کا علم نہ تھا یا انہیں اس کا شبہ بھی نہ گزرتا تھا، تو جن

[1] ملفوظات الیومیہ حصہ ... ص ۹۰
[2] مکالمۃ الصدرین مطبوعہ لاہور ص ۱۲

حضرات کا آج بھی یہ خیال ہو اُن سے پوچھیے تو سہی کہ اگر آپ کے تھانوی صاحب کو حکومت کے
وظیفے کا علم نہ ہوتا تو دوران ملفوظات یہ کیسے فرماتے کہ ہماری اگر حکومت ہوجائے تو انگریزوں
کو نہایت راحت و آرام سے رکھا جائے گا کیونکہ انہوں نے ہمیں آرام پہنچایا ہے۔ علاوہ بریں اگر
نذرانوں اور حکومت کی دیگر عنایات سے تھانوی صاحب بے خبر ہوتے اور ان کو انہیں شبہ بھی
گزرا ہوتا تو کفریہ عبارت کیوں لکھتے ہے اگر سہواً ایسا ہوجاتا تو علمائے اہلسنت کے سمجھانے بجھانے
کے باوجود ہرگز کفر پر قائم رہنے کا عزم بالجزم نہ کرتے۔ دریں حالات بے خبر ہونے اور شبہ
تک نہ گزرنے کی بات محض تھانوی صاحب کے ظاہری تقدس کا بھرم رکھنے کی خاطر ہے۔ لہذا
ان کے معتقدین کو ڈنکے کی چوٹ بتا دیجئے کہ ان کے مسلم بزرگ اور پیشوا کو برٹش گورنمنٹ
کی عنایات و وظائف کا پورا پورا علم تھا اور انہوں نے وہ انتہائی المناک یعنی کفریہ ڈرامہ
حکومت کے ہاتھوں میں بچوں قلم در دست کاتب ہوکر ہی کیا تھا، جس کے باعث حکومت
اور تھانوی صاحب دونوں اپنی جگہ مطمئن تھے کیونکہ۔

مچھلی نے ڈھیل پائی ہے لقمے پہ شاد ہے
صیاد مطمئن ہے کہ کانٹا نگل گئی

علمائے دیوبند کے مذکورہ بالا اجلاس میں مشہور دیوبندی کاندھوی عالم اور کانگرس کی
پُراسرار ذیلی شاخ یعنی جمعیۃ العلماء ہند کے ناظم اعلیٰ مولوی حفظ الرحمان صاحب سیوہاروی
(المتوفی ۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۲ء) نے تبلیغی جماعت کے بانی مولوی محمد الیاس صاحب کاندھلوی (
المتوفی ۱۳۶۳ھ / ۱۹۴۳ء) کے بارے میں علی رؤس الاشہاد ایک المناک انکشاف بھی
فرمایا تھا جو مولوی طاہر احمد قاسمی دیوبندی کے لفظوں میں ملاحظہ ہو۔

"اس ضمن میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے کہا کہ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ
کی تبلیغی تحریک کو بھی ابتداءً حکومت کی طرف سے بذریعہ حاجی رشید احمد صاحب کچھ روپیہ
ملتا تھا پھر بند ہوگیا۔" [1]

گنگڑوی صاحب! دیوبندی حضرات کے حکیم الامت جناب تھانوی صاحب

[1] مکالمۃ الصدرین مطبوعہ لاہور ص ۱۳

اور ان کے نزدیک صحابہ کی یاد تازہ کرنے والے اور تبلیغی جماعت کے بانی جناب کاندھلوی صاحب کے تقدس کی جو تصویر آپ کے سامنے آئی ہے اس کے پیش نظر باب جنت کے مصنف کو یہ شعر تو سنا دیجئے۔۔

چھوتا نہیں شراب کو بھی بے وضو کیے
قالب میں مرے روح کسی پارسا کی ہے

موجودہ دیوبندی علماء کہا کرتے ہیں کہ مانا ہمارے اکثر اکابر نے قیام پاکستان کے راستے میں رکاوٹیں ڈالیں، تحریک پاکستان کو کمزور کرنے پر ایڑی چوٹی کا زور لگایا، اپنی تمام تر صلاحیتیں بت پرستوں کے قدموں پہ نچھاور کیں اور بت پرست نوازی کے بین الاقوامی ریکارڈ بھی قائم کیے لیکن ہمارے دو چار عالم ایسے بھی تو ہیں جنہوں نے پاکستان کی تحریک میں بھرپور حصہ لیا اور ہمارے علامہ عثمانی نے جمعیۃ الاسلام اسی لیے قائم کی تھی۔

اس امر کا ہمیں بھی اعتراف ہے کہ واقعی چند دیوبندی علماء نے مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی کی قیادت میں تحریک پاکستان کے اندر بھرپور حصہ لیا تھا۔ لیکن اس مرحلے پہ یہ دیکھنا ہوگا کہ انہوں نے حصہ کیوں لیا تھا۔ اپنے سارے بت پرست نواز ٹولے کو چھوڑ کر چند دیوبندی مولوی قیام پاکستان کے حامی کیوں بنے؟ اس کا جواب مذکورہ اجلاس میں اکثر علمائے دیوبند کی موجودگی میں مولوی حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی نے علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب کو یوں دیا تھا۔ جس کی وہ قطعاً تردید نہیں کر سکتے تھے۔۔

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ کلکتہ میں جمعیۃ العلمائے اسلام حکومت کی مالی امداد اور اس کے ایماء سے قائم ہوئی ہے۔ مولانا آزاد سبحانی جمعیۃ العلماء کے سلسلہ میں دہلی گئے اور حکیم دلبر حسن صاحب کے یہاں قیام کیا، جن کی نسبت عام طور پر لوگوں کو معلوم ہے کہ وہ سرکاری آدمی ہیں۔ مولانا آزاد سبحانی صاحب اسی قیام کے دوران میں پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ آف انڈیا کے ایک مسلمان اعلیٰ عہدیدار سے ملے جن کا نام بھی قدسے شبہ کے ساتھ بتلایا گیا اور مولانا آزاد نے یہ خیال ظاہر کیا کہ ہم جمعیۃ العلماء ہند کے اقتدار کو توڑنے کے لیے ایک علماء کی جمعیت قائم کرنا چاہتے ہیں گفتگو کے بعد طے ہوا کہ گورنمنٹ ان کو کافی امداد

اس مقصد کے لیے دے گی اور اس کی ایک قسط مولانا آزاد سبحانی صاحب کے حوالے بھی کر دی گئی۔ اس روپیہ سے کلکتہ میں کام شروع کیا گیا۔ مولوی حفظ الرحمٰن صاحب نے کہا کہ یہ اس قدر یقینی روایت ہے کہ اگر آپ اطمینان فرمانا چاہیں تو ہم اطمینان کروا سکتے ہیں۔[1]

گکھڑوی صاحب! اب تو باب جنت کے مصنف پر کائنات دیوبندیت کے چودہ طبق روشن ہو گئے ہوں گے؟ برٹش گورنمنٹ کے ہوئے تو وظیفوں اور نذرانوں کی خاطر دین و ایمان فروخت کر دیا۔ ہندو پرستی اور زنار دوستی کا نشہ چڑھا تو لقمہ تر کے لیے اور مسلم لیگ کی ہمنوائی کا دم بھرا تو صرف پیٹ شریف کی خاطر گویا ان حضرات کے پاس دین و ایمان ہی ایک زائد از ضرورت چیز تھی جس کو چند سکوں اور چند روزہ زندگی کے آرام و راحت کے بدلے جو خریدنا چاہتا وہ خرید سکتا تھا۔ یعنی

ع
ایمان بیچنے پہ ہیں وہ سب تلے ہوئے
لیکن خرید ہو جو علی گڑھ کے بھاؤ سے

گکھڑوی صاحب! لگے ہاتھوں باب جنت کے مصنف کو یہ بتا دیجئے کہ برٹش گورنمنٹ نے اپنے مقصد کے علماء کی کھیپ دہلی کالج سے مولوی مملوک علی نانوتوی (المتوفی ۱۲۶۷ھ / ۱۸۵۱ء) کی سرکردگی میں تیار کروائی تھی۔ حکومت کی مشینری کے جتنے پرزے اس ورکشاپ سے ڈھل کر تیار ہو جاتے انہیں حکومت جہاں مناسب سمجھتی فٹ کر دیا کرتی تھی۔ جب ان میں سے چند حضرات سرکاری ملازمت سے فارغ ہوئے تو انہیں بیکار نہ رہنے دیا بلکہ ان کے ذریعے علی گڑھ کالج کی طرح دہلی کالج کی دوسری شاخ مدرسہ دیوبند کے نام سے کھلے میدان میں ایک انار کے درخت کے نیچے قائم کر دی تاکہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئے۔ ملک کے اندر اس وقت بھی ہزاروں دینی مدارس موجود تھے لیکن کھلے میدان میں انار کے درخت کے نیچے قائم ہونے والا مدرسہ دیکھتے ہی دیکھتے جامعہ ازہر کے بعد دنیا کا سب سے بڑا دینی مدرسہ کس طرح ہو گیا؟ اہل قلم حضرات کو اس کا تجزیہ کرنا ہوگا اور ان اسباب و علل کو منظر عام پر لانا ہوگا جن کے باعث یہ مدرسہ قطرہ سے دریا بن گیا ہے۔

---

[1] مکالمۃ الصدرین، مرتبہ مولوی طاہر احمد قاسمی، ص ۱۱ تا ۱۳

گھڑوی صاحب! باب جنت کے مصنف کو یہ بھی بتا دیجئے کہ مدرسہ دیوبند کے بانیوں میں مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی (المتوفی ۱۲۹۷ھ / ۱۸۷۹ء) اور حاجی عابد حسین صاحب کے علاوہ دیوبندی حضرات کے شیخ الہند مولوی محمود الحسن صاحب (المتوفی ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء) کے والد مولوی ذوالفقار علی دیوبندی (المتوفی ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء) بھی تھے، یہ پہلے بریلی کالج میں پروفیسر تھے اور اس کے بعد ڈپٹی انسپکٹر مدارس کے عہدے پر فائز ہوئے۔ موصوف اس عہدے سے ریٹائر ہوکر مدرسہ دیوبند کے قیام کی تجویز میں شامل ہوگئے تھے، جس کے قائم کرنے کا متواتر کئی حضرات کو الہام ہورہا تھا۔

اسی طرح علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی (المتوفی ۱۳۶۹ھ / ۱۹۴۹ء) کے والد مولوی فضل الرحمن صاحب کا شمار بھی اس مدرسے کے بانیوں اور چلانے والوں میں ہے۔ یہ صاحب بریلی میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے اور اسی عہدے سے ریٹائر ہوکر بانیانِ مدرسہ دیوبند میں شامل ہوگئے تھے۔ ان جملہ حضرات کو پے در پے الہام ہورہا تھا کہ جلد از جلد ایک دینی مدرسہ قائم کرو خواہ وہ انار کے درخت کے نیچے ہی کیوں نہ ہو۔ بس قائم کرنا تمہارا کام اور اسے بام فلک تک پہنچا دینا ہمارا کام ہوگا۔ ذرا تم قائم کرکے دیکھو تو سہی کہ:۔

ہمارا کام ہو جائے تمہارا نام ہو جائے
تمنا مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی

اس مدرسے کا سب سے پہلا صدر مدرس جن صاحب کو مقرر فرمایا گیا وہ دہلی کالج کی طلائی ورکشاپ کے جنرل منیجر مولوی مملوک علی نانوتوی کے صاحبزادے مولوی محمد یعقوب نانوتوی (المتوفی ۱۳۰۱ھ / ۱۸۸۳ء) تھے۔ یہ صاحب شروع میں اجمیر کالج کے اندر تدریسی فرائض انجام دیتے رہے اور اس کے بعد بنارس، بریلی اور سہارنپور میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے۔ اسی عہدے سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد اور سرکاری ملازمت سے فارغ ہونے پر یہی سوچا گیا کہ الہامی مدرسے کے لیے ان سے بہتر اور مدرس کون مل سکتا ہے؟ لہٰذا کھلے میدان میں قائم ہونے والے مدرسہ دیوبند کا پہلا مدرس ایک اتنا بڑا سرکاری افسر ہوا۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ متحدہ ہندوستان کے باشندے ان دنوں ڈپٹی انسپکٹر مدارس کے عہدے پر فائز ہونے والوں کو کالے پادری

کہا کرتے تھے۔

جب برٹش گورنمنٹ نے اپنے تربیت یافتہ افراد سے مدرسہ دیوبند قائم کروالیا تو کچھ عرصہ کے بعد ایک خاص معتمد کے ذریعے معائنہ کروایا گیا، تاکہ یہ جائزہ لیا جائے کہ جس مقصد کی خاطر یہ مدرسہ قائم کروایا تھا وہ حاصل ہو رہا ہے یا نہیں؟ چنانچہ معائنہ کرنے والے مسٹر پامر کی کہانی پروفیسر محمد ایوب قادری دیوبندی کی زبانی سنیئے:۔

اس مدرسہ نے یوماً فیوماً ترقی کی۔ ۳۱ جنوری [illegible]ء بروز یکشنبہ لیفٹیننٹ گورنر کے ایک خفیہ معتمد انگریز مسمی پامر نے اس مدرسہ کو دیکھا تو اس نے بہت اچھے خیالات کا اظہار کیا۔ اس کے معائنے کی چند سطور درج ذیل ہیں: "جو کام بڑے کالجوں میں ہزاروں روپے کے صرف سے ہوتا ہے وہ یہاں کوڑیوں میں ہو رہا ہے۔ یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ ممد و معاونِ سرکار ہے۔ یہاں کے تعلیم یافتہ لوگ ایسے آزاد اور نیک چلن ہیں کہ ایک کو دوسرے سے کچھ واسطہ نہیں۔ کوئی فن ضروری ایسا نہیں جو یہاں تعلیم نہ ہوتا ہو۔ صاحب! مسلمانوں کے لیے اس سے بہتر کوئی تعلیم اور تعلیم گاہ نہیں ہو سکتی اور میں تو یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ غیر مسلمان بھی یہاں تعلیم پاوے تو خالی نفع سے نہیں۔"[1]

گھڑوی صاحب! باب جنت کے مصنف کو اب تو سمجھا دیجئے کہ جو مدرسہ کالے پادریوں نے قائم کیا ——— جس کے بارے میں خود انگریزوں نے اعتراف کیا کہ یہ مدرسہ ممد و معاون سرکار ہے یعنی برٹش گورنمنٹ کے استحکام اور جڑیں مضبوط کرنے میں کوشاں رہتا ہے ——— جس کے اکابر نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کی بھرپور حمایت کی، اپنی تمام ہمدردیاں ایسٹ انڈیا کمپنی سے وابستہ رکھیں بلکہ انگریز کی حمایت میں حریت پسندوں سے برسرِ پیکار بھی ہوئے ——— جنہوں نے کمپنی کے عہدِ حکومت کو امن و عافیت کا زمانہ بتایا ——— جو اپنے آپ کو سرکار کا وفادار بتاتے اور منواتے رہے ——— جو خود یہ اعلان کرتے رہے کہ اگر ہماری حکومت

[1] مولانا محمد احسن نانوتوی، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۶ء، ص ۲۱۷، ۲۱۸

وجائے تو ہم انگریزوں کو نہایت آرام و راحت سے رکھیں گے کیونکہ انہوں نے ہمیں آرام پہنچایا ہے ۔۔۔۔ جو انگریزوں سے ہزاروں روپیہ سالانہ بطور نذرانہ وصول کرکے تخریب دین وافتراق بین المسلمین کا ظالمانہ کھیل کھیلتے رہے ۔۔۔۔ ہلے لعوبِ دین کا محاسبہ کرنے والا اور مسلمانوں کو ان کے شر سے بچنے کی تلقین کرنیوالا تو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۰۳۴ھ / ۱۶۲۴ء کی طرح اپنے دور میں مسلمانوں کا سب سے بڑا خیر خواہ اور سرمایۂ ملت کا نگہبان تھا۔ کیا اسلامیانِ ہند کے اس عظیم الشان محسن یعنی امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے دشمنی رکھنا، ان پر جھوٹے الزام عائد کرنا محسن کشی کی بدترین مثال اور حق و صداقت کے خلاف محاذ بنانا ہے یا نہیں ؟ ۔۔۔۔ گکھڑوی صاحب! لگے ہاتھوں باب جنت کے مصنف سے یہ بھی پوچھ لیجئے کہ رہنماؤں کو انگریزوں کو رہنما بنانا باب جنت ہے یا باب جہنم؟

وہ رضا کے نیزہ کی مار ہے کہ عدو کے سینہ میں غار ہے
کسے چارہ جوئی کا وار ہے، یہ وار وار سے پار ہے

رابعاً۔ باب جنت کے مصنف نے بڑے طمطراق سے یہ بھی لکھا ہے :- "مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے اکابر علمائے دیوبند کی عبارات کو قطع و برید کرکے علمائے حجاز سے ان کے خلاف فتویٰ لیا تھا"

گکھڑوی صاحب! ذرا اس تیس مار خاں مصنف کو بتا دیجئے کہ مجدد مائۃ حاضرہ رحمۃ اللہ علیہ نے علمائے حرمین کے سامنے اکابر دیوبند کی صرف عبارتیں ہی پیش نہیں کی تھیں بلکہ ان کی متعلقہ کتابیں بھی پیش کردی تھیں ۔۔۔۔ بلکہ براہین قاطعہ کے متعدد نسخے تو وہاں ۱۳۰۴ھ اور خصوصاً ۱۳۰۷ھ سے موجود تھے جبکہ تقدیس الوکیل پر تقاریظ لکھی گئی تھیں ۔۔۔۔ نیز علمائے حرمین قبل ازیں فاضل بریلوی سے آشنا تھے کیونکہ ۱۳۱۷ھ میں ان حضرات نے آپ کے رسالہ فتاویٰ الحرمین برجف ندوۃ المین پر تقریظیں لکھی تھیں اور اسی وقت سے آپ کے علمی تبحر اور درجہ امامت کے باعث ان میں سے متعدد حضرات کے شیدائی اور زیارت کے لیے سراپا اشتیاق

ہوئے بیٹھے تھے۔

بالفرض یہ کچھ بھی نہ ہوتا تو بقول مصنف صاحب جب اعلیٰ حضرت نے اکابر دیوبند کی عبارتیں قطع و برید کرکے علمائے مکہ مکرمہ کی خدمت میں پیش کیں اور وہ حضرات اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے فتوے کی تائید میں دھوم دھام سے تقریظیں لکھ رہے تو اکابر دیوبند کے ساتھ انبیٹھوی صاحب کی گردن بھی تو تیغ تکفیر سے کٹ رہی تھی اور انبیٹھوی صاحب مکہ مکرمہ میں بنفس نفیس موجود تھے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے لیکن سامنے ہوکر ایک لفظ بھی کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اگر اعلیٰ حضرت نے قطع و برید کی تھی تو انبیٹھوی صاحب کیوں منہ چھپا رہے تھے ؟ خدا لگتی کہنا نتیجہ کیا سامنے آتا ہے ؟ سچا آدمی منہ چھپاتا ہے یا جھوٹا ؟

جناب عالی! اگر اکابر دیوبند کی عبارتوں میں امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذرا بھی قطع و برید سے کام لیا ہوتا اور مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی کو اس سے بہتر موقع زندگی میں اور کب ملتا ؟ وہ ایک لحہ توقف کیے بغیر علمائے مکہ مکرمہ کے سامنے اعلیٰ حضرت کی قطع و برید ظاہر کرکے پوری دیوبندی قوم کا قرضہ چکا دیتے کیونکہ ایسی حالت میں علمائے مکہ مکرمہ کی نگاہوں میں فاضل بریلوی ایک کوڑی کے بھی نہ رہتے بلکہ وہ متحدہ ہندوستان میں اہل علم کو کبھی منہ نہ دکھا سکتے۔

ایسا کیوں ہوا جبکہ یہ محض الزام تراشی اور بہتان بندی ہے جبکہ صورتِ حال اس کے سراسر برعکس ہے جس کے باعث علمائے مکہ مکرمہ سے منہ چھپا کر انبیٹھوی صاحب ۲۷، ذی الحجہ کو راتوں رات مکہ معظمہ سے ایسے بھاگے کہ جدہ جاکر دم لیا جیسا کہ قاضی مکہ مکرمہ اور سابق مفتی احناف شیخ صالح کمال مکی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوب گرامی سے واضح کیا جا چکا ہے۔ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ علمائے مکہ مکرمہ کے درمیان ۲۴ صفر ۱۳۲۴ھ تک یوں جلوہ افروز رہے جیسے چودھویں کا چاند تاروں کے جھرمٹ میں۔ شاید مصنف صاحب کے نزدیک حق کا یہی خاصا ہوگا کہ وہ باطل کے سامنے آنے سے ڈرے اور موقع ملے تو راہ فرار اختیار کر جائے اور ہوسکتا ہے کہ ان کے نزدیک جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا کا بھی یہی مفہوم ہو۔

ے مولوی دین میں کہہ بھاگ خدا لگتی کچھ
مٹی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

خامساً۔ مصنف صاحب نے یہ بھی لکھا ہے:۔ جب اکابر علمائے دیوبند کو اس مکاری کا علم ہوا تو حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے اپنے اور اپنے اکابر کے عقائد لکھ کر علمائے حرمین اور شام و فلسطین وغیرہ کو بھیجے۔ انہوں نے وہ پڑھ کر خاں صاحب بریلوی پر صد لعنت کی۔

گکھڑوی صاحب! باب جنت کے مصنف کی اس جب پر تو مارے خوشی کے شیطان بھی جھومنے لگا ہوگا۔ گویا امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتوے پر جب مکہ معظمہ کے علمائے کرام تقریظیں لکھ رہے تھے تو اس وقت وہاں گویا مولوی خلیل احمد صاحب انبٹھوی تو تھے ہی نہیں بلکہ انبٹھہ سے کوئی چھلاوہ گیا ہوا تھا یا انبٹھوی صاحب کا ہمزاد۔ ایسے ہی مواقع پر تو کہتے ہیں کہ "چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد" شاید عارف روم، مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے ہی فنکاروں کے بارے میں فرمایا ہے:۔

ے چوں قلم در دست غدارے بود
لاجرم منصور بر دارے بود

گکھڑوی صاحب! ذرا مصنف صاحب کی عقل کے ناخن تو لیجئے کہ جس مقدس سرزمین پر اللہ کے حرم میں حق و باطل کا فیصلہ ہو رہا تھا، دیگر اکابر دیوبند کے ساتھ خود انبٹھوی صاحب کی گردن تیغ تکفیر سے کٹ رہی تھی وہاں علمائے مکہ مکرمہ سے کسی ایک کے روبرو ہونے اور اکابر دیوبند کی کفریہ عبارات کی صفائی یا کم از کم اپنی ہی عبارت کے بارے میں ایک لفظ تک کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔ کہتے کیا جب کسی عبارت میں اسلامی معنی کی رمق تک نہیں ہے۔ ان صاف صریح کفریہ عبارتوں میں چونکہ اسلامی پہلو کا نشان تک نہیں اس لیے انبٹھوی صاحب بچارے لب کشائی کی جرأت کرتے تو کیسے کرتے۔ لہٰذا چھپنے میں عافیت سمجھی ورنہ کفریات سے توبہ کرنی پڑتی اور یہ منظور نہیں تھی کیونکہ وظیفے بند ہو جاتے اور چند روزہ زندگی نہایت آرام و

راحت سے نہ گزرتی اسی لیے راتوں رات مکہ مکرمہ سے ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو دم دبا کر بھاگ آئے۔

یہاں آنے پر برادری کے اکابر جمع ہوئے، سر جوڑ کر بیٹھے کہ اس ذلت و رسوائی کا داغ مٹانے، اہل حق کے خلاف شور مچانے، حق کو باطل اور باطل کو حق بتانے، حکومت سے پوری طرح یاری نبھانے اور بے خبر لوگوں کو اپنا بھرم دکھانے کی خاطر گھر میں بیٹھ کر المہند لکھنے کا منصوبہ بنایا کہ اپنے تو ہر بات پر اندھے مقلد ہو کر آمین کہتے ہی رہتے ہیں دوسرے بے خبر لوگوں کی آنکھوں میں پوری جرأت سے دھول ڈال دی جائے۔ لہٰذا انبٹھوی صاحب نے کفر فروشوں کے مشورے سے اس شعبدے کو یوں مرتب کیا:۔

۱۔ کام چلانے کے لیے متعلقہ اور غیر متعلقہ چھبیس سوالات خود گھڑے اور تاثر دیا کہ گویا علمائے حرمین شریفین نے ان سے پوچھا ہے۔

۲۔ ان سوالوں کے اپنے مذہب اور اپنے اکابر کی تصریحات کے خلاف جواب لکھے تاکہ دیکھنے والے عربی علماء کو بھی تاثر ملے کہ یہ بیچارے شاید سُنی حنفی ہی ہوں گے اور ان مسکینوں پر کسی نے ظلم کیا ہے کہ انہیں سُنی نہیں مانتے بلکہ اسلام سے خارج بتاتے اور کافر و مرتد کہتے ہیں۔

۳۔ یہ غیر متعلقہ سوال جواب کا پلندہ غیر متعلقہ آدمیوں کے ہاتھوں ان ہندی علماء تک پہنچایا گیا جو منافقین مدینہ کی طرح علمائے مکہ مکرمہ کے درمیان تقیہ کی آڑ میں گزارا کر رہے تھے۔

۴۔ منور علی اینڈ کمپنی کا جب کوئی مخدوم یا نائب الحرم وغیرہ ایسے عربی یا پردیسی عالم کو دیکھتا جو کفر فروشوں اور ان کی تکفیر کے معاملے سے بے خبر ہوتا تو سوال جواب کا وہ پلندہ اس کے سامنے رکھ کر دو چار لفظ لکھوا لیے جاتے اور اُسے مصدقات سے شمار کر لیا جاتا ورنہ اس بھری دُنیا میں صورتِ حال سے کوئی بھی باخبر عالم قطعاً اکابر دیوبند کی تائید کرنے کے لیے تیار نہیں تھا بلکہ کافر گری کے اس علی الاعلان کاروبار اور ملتِ اسلامیہ کی بے کسی پر سرد آہیں بھرتے اور خون کے آنسو بہاتے تھے۔

گکھڑوی صاحب! باطل خواہ کتنا ہی زور کیوں نہ باندھ لے، وقتی طور پر خواہ کیسی ہی تند و تیز آندھی کیوں نہ چلالے لیکن آخر کار ایک روز اُسے منہ چھپانا پڑتا ہے۔ حق کے سامنے ٹھہرنے کی جرأت نہیں رہتی بلکہ دُم دبا کر بھاگتا ہوتا ہے۔ رہی باطل پرستوں کی کاوشیں تو اس سے آج تک یہود و نصاریٰ، ہنود و مجوس اور کمیونسٹ تک بھی باز نہیں آئے۔ ان میں سے ہر جماعت حقانیت کی مدعی ہے اور اپنے ماسوا کو بھٹکے ہوئے قرار دیتی ہے لیکن ان کے مزعومہ دلائل بھی حق و صداقت سے ایسے ہی دور ہوتے ہیں جیسے المہند کی جعلسازی۔ دریں حالات باب جنت کے مصنف سے پوچھئے تو سہی!

۱۔ امام احمد رضا خاں بریلوی کی تائید کرنے والے کسی مکی یا مدنی عالم نے یہ اعتراف کیا ہے کہ فاضل بریلوی نے ہمیں دھوکا دیا تھا؟

۲۔ تصدیق کرنے والے کسی عالم نے ایسی کوئی تحریر دی کہ حکم تکفیر میں ہم سے غلطی ہو گئی ہے؟

۳۔ کیا فاضل بریلوی کی تائید کرنے والے کسی عالم نے المہند کی تصدیق و تائید کی ہے؟

۴۔ اپنی ہائی ہائیں سالہ زندگی میں کیا انبیٹھوی صاحب تائید کرنے والے کسی مکی یا مدنی عالم سے اپنی حمایت اور فاضل بریلوی کے خلاف ایک عبارت بھی حاصل کر سکے؟

۵۔ ان کا المہند کے مصنف خلیل احمد صاحب کو لکھ کر پیش کرنا تو بہت دور کی بات ہے کیا تصدیق کرنے والے کسی بھی عالم کی ایک ایسی عبارت دکھائی جا سکتی ہے جس کے اندر اُس نے فاضل بریلوی پر نفرین کی ہو؟ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۔ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ۝

اگر مصنف صاحب ایسی ایک بھی تحریر نہ دکھا سکیں اور ہم انہیں ڈنکے کی چوٹ بتائے دیتے ہیں کہ وہ اپنی ساری زندگی میں ایسی ایک بھی تحریر نہیں دکھا سکیں گے اور نہ ان کو ہمنوا و ہم خیال ہی دکھا سکے گا تو ان حالات میں غور کرنا چاہیئے کہ المہند کی اس شعبدہ بازی کا حسام الحرمین پر کیا اثر پڑا؟ کیا حسام الحرمین کی چمک دمک ذرا بھی متاثر ہوئی؟ کیا اس کی صداقت و حقانیت پر کوئی بُرا اثر پڑا؟ نہیں اور ہرگز نہیں تو ان حالات میں ہم باب جنت کے مصنف اور جملہ دیوبندی علماء سے اُن کے بھلے کی خاطر عرض گزار ہیں کہ خدا کے بندو! حق کی مخالفت اور باطل کی حمایت سے باز آ جانا چاہیے کیونکہ دارین کی بھلائی اسی میں ہے ان کے پیچھے خواہ مخواہ لگ کر اپنی عاقبت برباد کر لینا، ابدی عذاب خریدنا، جہنم کا ایندھن بننا کہاں کی عقلمندی اور کونسا سودمند سودا ہے؟

انہیں کی محفل سنوارتا ہوں چراغ میرا ہے رات ان کی
انہیں کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات ان کی

سادساً۔ باب جنت کے مصنف نے یہ بھی لکھا ہے: "اس (المہند) کے بعد حرمین عرب وغیرہ ممالک کے کسی معتبر عالم نے دیوبندیوں کی ہرگز تکفیر نہیں کی۔ اگر ہے مفتی صاحب دم تو اس کے بعد کے علماء عرب کے دو چار فتوے وہ ہمیں دکھا دیں ..... مفتی صاحب یقینہ تھا کہ علمائے حرمین اور عرب کی المہند علی المفند کی طباعت کے بعد کی تکفیر بتاتے اور ہمت ہے تو بتا دیں"

گکھڑوی صاحب! ذرا مصنف صاحب کو بتائیے تو سہی کہ جب المہند کی شعبدہ بازی کا حسام الحرمین پر ذرا بھی اثر نہیں پڑا تو وہ ایسے مجموعہ تلبیسات کا کس وجہ سے فخر یہ ذکر کرتے ہیں؟ وہ ایسی رسوائے زمانہ تصنیف کا نام لیتے ہوئے شرماتے کیوں نہیں؟ جب حسام الحرمین کی تقریظیں اسی چمک دمک کے ساتھ موجود ہیں تو علمائے حرمین مزید فتوے کس لئے جاری کرتے؟

اگر مصنف صاحب کا یہ خیال ہے کہ المہند کی طباعت کے بعد علمائے حرمین شریفین نے اللہ و رسول کو گالیاں دینے والے ان علمائے دیوبند کو کافر کہنا چھوڑ دیا تھا اور انہیں مسلمان جاننے لگے تھے جس کے باعث ان کے نزدیک ایسی کوئی عبارت نہیں دکھائی جا سکتی کہ المہند کے بعد بھی علمائے حرمین نے علمائے دیوبند کو کافر سمجھا اور کہا ہو تو مصنف صاحب کی یہ خوش فہمی ہے اور انہیں کان کھول کر سن لینا چاہیے کہ بفضلہ تعالیٰ اہلسنت و جماعت ایسی عبارتیں دکھانے کا دم خم ہے اور رہے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

گنگوہی صاحب اگلے ہاتھوں مصنف صاحب سے اتنا پوچھ لیجیے کہ اگر ا...
طباعت سے بعد کی ایسی دو چار عبارتیں یا دو چار فتوے دکھا دیئے جائیں تو وہ علما...
اور شانِ مصطفوی پر حملہ آور ہونے والے اپنے اکابر کو علمائے حرمین کی طرح کافر و مرتد مان
لیں گے؟ اگر مصنف صاحب تحریری طور پر ایسا وعدہ کر لیں تو ہم ان کے اس مبارک
ارادے کے پیشِ نظر مطلوبہ تعداد سے زیادہ عبارتیں اور فتوے بھی دکھانے کے لیے تیار
ہو جائیں گے۔ اب دیکھتے ہیں کہ مصنف صاحب کی انصاف پسندی کا اونٹ کس کروٹ
بیٹھتا ہے؟ انصاف کی طرف آتے ہیں یا گنگوہی صاحب کی قبر پر سماتِ اَرِنِیْ[1] پکارنے...

دیکھیے اس بحر کی تہ سے اچھلتا ہے کیا
گنبد نیلوفری رنگ بدلتا ہے کیا

سابعاً۔ اگر علمائے حرمین کے سامنے علمائے دیوبند کی عبارتیں قطع و برید کر کے پیش
کی گئی تھیں اور انہوں نے بغیر تحقیق کیے، آنکھیں بند کر کے تائید و حمایت میں تقریظیں لکھ
دیں کہ واقعی فلاں فلاں حضرات کافر و مرتد ہیں تو اس صورت میں علمائے حرمین کے تقویٰ
طہارت اور ان کے فتووں کی کیا قیمت رہ جاتی ہے؟ آخر ان مقدس ہستیوں کو کس خوشی
میں علمائے دیوبند پہ قیاس کیا جا رہا ہے؟ کیا وہ حضرات دین و دیانت اور رسم المفتی
سے اتنی عاری تھے کہ تکفیر جیسے نازک ترین مرحلے پر بھی انہوں نے ذاتی طور پہ تحقیق کرنے
کی ضرورت ہی محسوس نہ کی اور محض کسی کے کہنے پر دوسروں کو کافر و مرتد قرار دے دیا؟
مصنف صاحب! ایک روز آپ نے بھی مرنا ہے اور اپنے پیدا کرنے والے کی بارگاہ
میں حاضر بھی ہونا ہے۔ وہاں اگر ان حضرات نے آپ کو گریبان سے پکڑا اور بارگاہ رب العالمین
سے انصاف کے طلب گار ہوئے تو وہاں بھی سب کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کا اہتمام...

---

[1] دیوبندی حضرات کے شیخ الہند، مولوی محمود الحسن صاحب نے اپنے پیر جناب گنگوہی صاحب کا مرثیہ لکھتے ہوئے کہا ہے

تمہاری تربتِ انور کو دے کر طور سے تشبیہ
پکارا بار بار ارنی، مری دیکھی بھی نادانی

...شعبدہ آپ حضرات نے ایجاد فرما لیا ہے؟

جب سرِ محشر وہ پوچھیں گے بلا کے سامنے
کیا جواب جرم دو گے تم خدا کے سامنے

ثامناً۔ مجدد مائۃ حاضرہ امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کے فتوائی [illegible] ۱۳۲۳ھ
...علمائے حرمین نے خود انبیٹھوی صاحب کی موجودگی میں تصدیق و تائید فرمائی اور تقریظیں
...تھیں۔ اگر ان عبارتوں میں قطع و برید کی گئی ہوتی تو انبیٹھوی صاحب کو سانپ نہیں سونگھ
...تھا کہ اس کارگزاری کے خلاف بولنے سے مجبور ہو گئے تھے۔ چلیے اس وقت [illegible]
...فرما گئے ہوں گے تو اس کے بعد وہ بائیس سال اور تھانوی صاحب اڑتالیس سال زندہ
رہے۔ اتنے عرصے میں علمائے حرمین سے اس قطع و برید کے بارے میں کوئی تحریر کیوں
حاصل نہ کی؟ کیا ہر منصف مزاج کو یہ صاف نظر نہیں آتا کہ علمائے دیوبند نے اپنے بڑوں کا
بھرم رکھنے اور جہلا کو ورغلانے کے لیے یہ بے پر کی اڑائی ہوئی ہے جس کی حقیقت بس یہی
ہے کہ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۝

تاسعاً۔ چلیے یہ دونوں حضرات حرمین شریفین تک نہ گئے تو امام احمد رضا خاں بریلوی
رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ۱۳۴۰ھ میں ہوا تھا۔ ان سولہ سترہ سالوں میں انبیٹھوی صاحب یا تھانوی
صاحب کم از کم ایک مرتبہ تو اس محمدی کچھار کے شیر کو منہ دکھاتے، روبرو ہونے کی جرأت
کرتے اور جو قطع و برید کی گئی تھی اُسے میدانِ مناظرہ میں آکر ظاہر کرتے کم از کم ہمیں اس بات
کا آج تک کوئی ثبوت نہیں مل سکا کہ ان دونوں حضرات نے جیتے جی کبھی ایسی جرأت کا کوئی
مظاہرہ کیا ہو۔

عاشراً۔ چلیے مردانگی کی بھی جانے دیجیے۔ کیا ان دونوں حضرات نے گھر میں بیٹھ
کر کسی گوشے میں چھپ کر، اپنی کسی کتاب کے اندر یہ ثابت کر دیا ہے کہ امام احمد رضا
خاں بریلوی نے اکابر کی فلاں عبارت میں یہ قطع و برید کر دی تھی؟ عبارت کا سب...

تو یہ تھا اور کاٹ چھانٹ کرکے وہ بنا دیا۔ یقیناً دونوں حضرات اپنی زندگی میں
بھی ثبوت فراہم نہیں کر سکے۔ ہاں ان کے پجاری حق پر پردہ ڈالنے اور جہلا
کی خاطر اُسی وقت سے بے پر کی اُڑاتے چلے آ رہے ہیں۔ دریں حالات۔

کسے خبر تھی کہ لے کر چراغ مصطفوی
جہاں میں آگ لگاتی پھرے گی بولہبی

دیوبندی ڈرامہ۔ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے ایک سائل کے سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے:

پھر یہ کہ آپ (حضور) کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی ہی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے سے مخفی ہے تو چاہیئے سب کو عالم الغیب کہا جائے پھر اگر زید اس کا التزام کرے کہ ہاں میں سب کو عالم الغیب کہوں گا تو پھر علم غیب کو منجملہ کمالات نبویہ کیوں شمار کیا جاتا ہے جس امر میں مومن بلکہ انسان کی بھی خصوصیت نہ ہو وہ کمالات نبوت سے کب ہو سکتا ہے اور التزام نہ کیا جائے تو نبی اور غیر نبی میں وجہ فرق بیان کرنا ضرور ہے اور اگر تمام علوم غیب مراد ہیں اس طرح کہ اس کی ایک فرد بھی خارج نہ رہے تو اس کا بطلان دلیل نقلی و عقلی سے ثابت ہے۔ [1]

تھانوی صاحب نے اس عبارت میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ اقدس پر شرمناک و ایمان سوز حملہ کرتے ہوئے انتہائی گندی گالی دی ہے۔ شانِ رسالت میں موصوف کی انتہائی گستاخانہ عبارت دیکھ کر پورے ملک کے علمائے کرام سراپا احتجاج بن گئے۔ تھانوی صاحب کو خوفِ خدا اور خطرہ روزِ جزا سے لاکھ ڈرایا لیکن موصوف کے کان پر جوں تک نہ چلی۔ جہاں اس عبارت کا کوئی اسلامی محمل بتانے سے عاجز ہے وہاں توبہ کرنے اور

[1] حفظ الایمان، مطبوعہ نامی پریس لاہور، صفحہ ۱۶

کر اسلامی بنا لینے کی جانب ایک قدم بھی نہ بڑھا سکے بلکہ
آگ کو بھڑکاتے رہے اور عوام کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کے لیے میدان میں
دیتے تھے جو اہل علم حضرات سے برسرپیکار ہو کر ہوائیں اڑاتے رہتے تھے۔

مذکورہ ڈبیروں کا پہلا ڈرامہ پیش کرنے سے پہلے مذکورہ عبارت کے بارے میں ہم یہ وضاحت کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ اس عبارت میں تھانوی صاحب نے علم غیب کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ (۱) بعض غیب (۲) کل غیب ——— کل غیب سے متعلق تھانوی صاحب نے لکھ دیا کہ اس کا بطلان دلیل نقلی و عقلی سے ثابت ہے ——— لہٰذا حضور کے لیے کل غیب ثابت کرنا تو باطل ہو گیا۔ اب حضور کے لیے ثابت رہا تو بعض غیب۔ اب تھانوی صاحب نے حضور کے لیے جو بعض غیب خود مانا، اس کے متعلق صاف کہہ دیا کہ اس میں حضور کی کوئی تخصیص نہیں ہے کیونکہ ایسا علم غیب تو بچوں پاگلوں اور جانوروں کو بھی حاصل ہوتا ہے۔

یہ ہے اس گستاخانہ، ایمان سوز اور کفریہ عبارت کا وہ صریح مفاد جو ہر منصف مزاج قاری کے ذہن میں آتا ہے اور عبارت سے یہی مفہوم برآمد ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ بیان کیا جاتا ہے وہ کفر پر پردہ ڈالنے کا خارجی دھندہ اور عوام الناس کو شکار کرنے کا پرانا پھندا ہے، جس کیلئے تھانوی صاحب نے حکومت کے خرچ پر پہلوان پال رکھے تھے جو علمائے اہل حق سے کشتی لڑنے اور عوام الناس کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ مذکورہ پہلوانوں کے پاکستان میں جانشین عباراتِ اکابر کے مصنف صاحب ہیں۔ موصوف نے حفظ الایمان کی عبارت کو بے غبار اور اسلامی ثابت کرنے کی غرض سے مذکورہ عبارت میں وارد لفظ ایسا کے امیر اللغات جلد دوم صفحہ ۳۰۲ سے تین معانی پیش کرکے لکھا ہے:

لفظ ایسا سے اس قسم کا یا اس قدر یا اتنا کوئی معنی مراد لیں۔ اس کے پیش نظر حضرت تھانوی کی مذکورہ عبارت بالکل بے غبار اور بے داغ ہے اور انہوں نے معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہرگز کوئی توہین نہیں کی۔ [1]

[1] عبارات اکابر، ص ۲۱۷، ۲۱۸

عبارات اکابر کے مصنف کا دعویٰ ہے تھانوی صاحب کی عبارات کے معانی کا ان تینوں میں سے جو معنی بھی لیا جائے تو اس کے مطابق حفظ الایمان کی عبارت صاف اور بے داغ ثابت ہو جاتی ہے اور ثابت ہو جاتا ہے کہ تھانوی صاحب نے حضور کی کوئی توہین نہیں کی ——— موصوف نے ان معانی کے باعث عبارت کے بے غبار ہونے کی دلیل تو ایک بھی پیش نہیں کی بلکہ صرف بے غبار ہونے کا دعویٰ کر دیا ہے ہاں اتنا ضرور کیا کہ مولوی محمد منظور نعمانی دیوبندی کے امیر اللغات والے مغالطے کو فیصلہ کن مناظرہ سے عبارات اکابر میں نقل کرنے کا جو ہنر دکھا دیا اور حکم فرما دیا کہ ساری دُنیا حفظ الایمان کی عبارت کو آنکھیں بند کر کے بے غبار تسلیم کر لے اور جو ایسا نہ کرے وُہ بریلوی ہے، دشمن دین و ایمان ہے، ہٹ دھرم ہے، انگریز کا پٹھو ہے۔ موصوف کے اس بے دلیل دعوے کے باعث پیش کردہ تینوں معانی کے لحاظ سے مذکورہ عبارت کے فوٹو پیش کرتے ہیں۔

فوٹو نمبر ۱ ! اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی ہی کیا تخصیص ہے، اس قدر علم غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔

فوٹو نمبر ۲ ! اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی ہی کیا تخصیص ہے اس قدر علم غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔

فوٹو نمبر ۳ ! اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور ہی کی کیا تخصیص ہے اتنا علم غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔

گکھڑوی صاحب! عبارات اکابر کے مصنف کے پیش کردہ تینوں معانی کی رُو سے تھانوی صاحب کی کفریہ عبارت کا مفہوم یوں سامنے آتا ہے۔

۱. حضور کو جو علم حاصل تھا اس قسم کا علم غیب تو بچوں پاگلوں اور جانوروں کو بھی حاصل تھا۔
۲. حضور کو جو علم حاصل تھا اس قدر علم غیب تو بچوں پاگلوں اور جانوروں کو بھی حاصل تھا۔

۳. حضور کو جو علم حاصل تھا اتنا علم غیب تو بچوں پاگلوں اور جانوروں کو بھی حاصل تھا۔

جب عبارات اکابر کے مصنف نے تھانوی صاحب کی کفریہ عبارت کے مفہوم کو اور بھی واضح کر دیا کہ حضور کو جو علم غیب حاصل تھا اس قسم کا، اس قدر اور اتنا علم غیب تو بچوں پاگلوں کو جانوروں کو بھی حاصل ہے اور اس وضاحت کے بعد تھانوی صاحب کا کفر ہر معمولی پڑھے لکھے شخص کو بھی آفتاب نیمروز کی طرح واضح نظر آنے لگا کہ قسم، مقدار اور گنتی میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاک علم کو بچوں پاگلوں اور جانوروں کے علم جیسا بتا کر تھانوی صاحب نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بدترین اور انتہائی گندی گالی دی ہے۔

گکھڑوی صاحب! عبارات اکابر کے مصنف سے کہیئے تو سہی کہ ایسی گندی گالی دے کر بھی اگر ان کے نزدیک تھانوی صاحب نے بارگاہِ رسالت کی توہین نہیں کی بلکہ عبارت بے غبار اور بے داغ ہو گئی ہے تو بندہ خدا! اتنا ہی بتا دیا جائے کہ جب آپ کے نزدیک اللہ اور رسول کو گالیاں دینا بھی کفر نہیں اور ایسا کرنے سے ایمان کی صحت پر کوئی بُرا اثر نہیں پڑتا بلکہ روحانی درجات میں ترقی ہوتی ہے تو دار العلوم دیو بند کی فضاؤں میں پلنے والوں کے نزدیک کفر اور کون سے جانور کا نام ہے؟

معلوم کچھ ایسا ہوتا ہے کہ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ وَعَلٰی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ کے باعث ان صاف صریح وضاحتوں کو بھی سمجھنے سے یہ حضرات مجبور و معذور ہیں کیونکہ مَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ اور رسول کو ننگی گالیاں بھی دیتے ہیں اور یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اللہ اور رسول کی توہین کا ذرا بھی ارتکاب نہیں کیا۔ لہٰذا ہماری لاکھ وضاحتیں بھی نہ ہونے کے برابر ہو کر رہ جائیں گی۔ دریں حالات یہی مناسب نظر آتا ہے کہ جن حضرات کو انہوں نے اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ بنا کر اپنے دلوں اور دماغوں پر مسلط کیا ہوا ہے، یہی الفاظ اُن حضرات کی شان میں جاری کر کے پوچھا جائے کہ ان لفظوں سے آپ کے اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ کی توہین تو نہیں ہوتی؟ اگر کوئی آپ کے اکابر کی شان میں یہی کہے تو آپ بُرا منانے کا حق بھی نہیں رکھتے کیونکہ ان لفظوں کے اندر آپ کے نزدیک توہین کا تو شائبہ بھی نہیں ہے۔

خیر آپ حضرات مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کو حکیم الاُمت اور مجدد دین و
ملت کہتے ہیں کیا دین کا کل علم حاصل ہونے کی بنا پر انہیں ایسا کہا جاتا ہے یا بعض علوم
دینیہ کے باعث ؟ کل علوم دینیہ کے حصُول کا تو غالباً کوئی دیوبندی عالم بھی ان کے لیے
دعویٰ نہیں کرے گا ۔ لہٰذا نتیجہ یہی نکلے گا کہ تھانوی صاحب کو بعض علوم دینیہ کے
حصول کی وجہ سے ہی حکیم الاُمت اور مجدد دین و ملت کہا جاتا ہے ۔ دریں حالات زید اس
سلسلے میں علمائے دیوبند سے یوں سوال کرتا ہے :

فوٹو نمبر ۴ ۔ اگر بعض علوم دینیہ مراد ہیں تو اس میں تھانوی صاحب کی ہی کیا تخصیص ہے ؟
اس قسم کے علوم دینیہ تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہیں

فوٹو نمبر ۵ ۔ اگر بعض علوم دینیہ مراد ہیں تو اس میں تھانوی صاحب کی ہی کیا تخصیص
ہے ؟ اس قدر علوم دینیہ تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی
حاصل ہیں ۔

فوٹو نمبر ۶ ۔ اگر بعض علوم دینیہ مراد ہیں تو اس میں تھانوی صاحب کی ہی کیا تخصیص ہے ؟
اتنے علوم دینیہ تو زید و عمر بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہیں ۔

~~کیا ان عبارات کے اندر عبارات اکابر کے مصنف کو تھانوی صاحب کی توہین نظر
نہیں آتی جبکہ ان کے متعلق کہا جا رہا ہے کہ تھانوی صاحب کو جو بعض علوم دینیہ حاصل ہیں~~

کیا ان عبارات کے اندر عبارات اکابر کے مصنف صاحب کو تھانوی صاحب کی توہین
نظر نہیں آتی جبکہ ان کے متعلق کہا جا رہا ہے کہ تھانوی صاحب کو جو بعض علوم دینیہ حاصل
ہیں تو اس قسم کے ، اس قدر اور اتنے علوم دینیہ تو بچوں پاگلوں اور جانوروں کو بھی حاصل ہیں ۔
یقیناً یہ عبارتیں گستاخانہ ہیں اور تینوں میں سے جو عبارت بھی کوئی تھانوی صاحب کے
متعلق لکھے اس کے بارے میں یہی کہا جائے گا کہ وہ تھانوی صاحب کی توہین کر رہا ہے ۔

ممکن ہے کہ مصنف صاحب شانِ رسالت کی توہین کو چھپانے اور تھانوی کے کفر پر پردہ
ڈالنے کی غرض سے کہہ دیں کہ ہم ان تینوں عبارتوں میں تھانوی صاحب کی کوئی توہین محسوس
نہیں کرتے تو زید ان سے کہہ سکتا ہے کہ دریں حالات آپ حضرات اپنے اکابر کے متعلق
یہ کیوں نہیں لکھتے :

۱۔ ہمارے مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کا علم گدھے جیسا تھا ۔
۲۔ ہمارے مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کا علم کتے جیسا تھا ۔
۳۔ ہمارے مولانا خلیل احمد صاحب انبہٹوی کا علم گدھے جیسا تھا ۔
۴۔ ہمارے مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کا علم الو جیسا تھا ۔

آخر کیا وجہ ہے کہ علمائے دیوبند نے اپنے اکابر کے متعلق ایسا کبھی نہیں لکھا
اور نہ کبھی ایسا لکھنے پر آمادہ ہو سکتے ہیں ۔ بات صاف ہے کہ اپنے ممدوحین کے متعلق کوئی
بھی ایسا نہیں لکھ سکتا اور انہیں بزرگوں کی سراسر توہین سمجھے گا ۔ اگر کائنات ارضی و سماوی
کے سب سے بڑے ممدوح اور سراپا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان حضرات کے نزدیک
ممدوح ہوتے اور ان کے ساتھ عقیدت کا ذرا بھی رشتہ ہوتا تو ہر بڑے سے بڑے کی
محبت و عقیدت کو محبوب پروردگار کے پاک قدموں پر قربان کر دیتے کیونکہ دوسرا جو بھی قابل
احترام ہے تو ان کی غلامی کے باعث ہے ۔ مخلوق میں دائرہ عقیدت کے مرکز و محور محمد
مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں :

بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی ست

گکھڑوی صاحب ! وضاحت کے باعث بات کچھ طویل ہو گئی ۔ بہر حال عبارات اکابر
کے مصنف نے بتایا تھا کہ حفظ الایمان کی مذکورہ عبارت میں واقع لفظ ایسا کے تین معانی ہیں
جن میں سے ایک اتنا ہے ۔ یعنی تھانوی صاحب کا لفظ ایسا یہاں اتنا کے معنی میں ہے اور
اس صورت میں انہوں نے عبارت کو بے غبار اور بے داغ بتا کر کہہ دیا کہ تھانوی صاحب نے
اس طرح حضور کی ہرگز توہین نہیں کی یعنی ایسا کو اگر اتنا کے معنی میں شمار کیا جائے تو عبارت

ہیں ان کے نزدیک توہین کا شائبہ نہیں رہتا۔

مناسب نظر آتا ہے کہ عباراتِ اکابر کے مصنف کو اب دیوبندی سپریم کورٹ میں پہنچا دیا جائے۔ چنانچہ تھانوی صاحب کے کفر پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہوئے اسی لفظ ایسا کی بحث میں دارالعلوم دیوبند کے سابق صدر، جناب حسین احمد صاحب ٹانڈوی نے یوں لکھا ہے:

> اس سے بھی قطع نظر کریں تو جناب یہ تو ملاحظہ کیجئے کہ حضرت مولانا عبارت میں لفظ ایسا فرما رہے ہیں، اگر لفظ اتنا ہوتا تو اس وقت البتہ یہ احتمال ہوتا کہ معاذ اللہ حضور علیہ السلام کے علم کو اور چیزوں کے علم کے برابر کر دیا۔ یہ محض جہالت نہیں تو اور کیا ہے:" ؎۱

گکھڑوی صاحب! عباراتِ اکابر کے مصنف نے تو بتایا تھا کہ حفظ الایمان کی عبارت میں لفظ ایسا کو اگر اتنا کے معنی میں لیا جائے تو عبارت بے غبار اور بے داغ ہو جاتی ہے نیز اس میں توہین شانِ رسالت کا شائبہ بھی نہیں رہتا۔ اس کے مقابلے میں جناب ٹانڈوی صاحب بتاتے ہیں کہ لفظ ایسا کو اگر اتنا کے معنی میں لیا جائے تب توہین شان رسالت ہے، دریں حالات صدر دیوبند کے اس فیصلے کی رُو سے تھانوی صاحب کے ساتھ عبارات اکابر کا مصنف بھی شاتم رسُول ہوا یا نہیں؟ کیونکہ وہ لفظ ایسا کو اتنا کے معنی میں بتاتے ہیں۔ ساتھ ہی ٹانڈوی صاحب نے اس توجیہ کے کرنے والوں کو دارالعلوم دیوبند سے جہالت کی سند بھیجی ہے، عباراتِ اکابر کے مصنف کو چاہیے کہ اس سند کو سنبھال کر رکھیں تاکہ بوقت ضرورت قبر و حشر میں کام آئے کیوں گکھڑوی صاحب!

> ؎ دن کو کہیے رات تو وہ رات ہو سکتی نہیں
> جھوٹ پرٹے میں بھی سچی بات ہو سکتی نہیں

؎۱ الشہاب الثاقب مطبوعہ دیوبند ص ۱۲

دوسرا ڈرامہ ۔ مدرسہ دیوبند کے سابق ناظم تعلیمات مولوی مرتضیٰ حسن صاحب دربھنگی نے حفظ الایمان کی مذکورہ کفریہ عبارت کو بے غبار اور اسلامی ثابت کرنے کی غرض سے اسی لفظ ایسا کے بارے میں دوسری توجیہ یوں پیش کی ہے:۔

> اگر تکفیر کی تشبیہ علم نبوی بعلم زید و عمرو ہے تو یہ اسی پر موقوف ہوگا [illegible] لفظ ایسا تشبیہ کے لیے ہو حالانکہ یہ یہاں [illegible] کے محتاج ہے حذف کلام بلکہ مسخ کلام تک۔ ؎۱

اسی لفظ ایسا پر اپنی تحقیق کا نچوڑ پیش کرتے ہوئے مولوی [illegible] لکھا ہے:۔

> حفظ الایمان کی اس عبارت میں ایسا تشبیہ کے لیے نہیں بلکہ وہ یہاں [illegible] کے اتنا کے معنی میں ہے:" ؎۲

دربھنگی اور سنبھلی صاحبان کی تحقیق یہ ہے حفظ الایمان کی اس عبارت میں اگر لفظ ایسا تشبیہ کے لیے ہوتا تو عبارت یقیناً کفریہ ہوتی کیونکہ اس حالت میں اس کے اندر توہین شانِ رسالت ہوتی۔ دونوں حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ لفظ ایسا یہاں تشبیہ کے لیے نہیں بلکہ اتنا کے معنی میں ہے ——— اب تیسرے حمایتی جناب حسین احمد صاحب ٹانڈوی کی تحقیق ملاحظہ فرمائی جائے:۔

> "اس سے بھی قطع نظر کریں تو لفظ ایسا کلمہ تشبیہ کا ہے۔" ؎۳

گکھڑوی صاحب! اب عباراتِ اکابر کے مصنف سے پوچھیے کہ تھانوی صاحب کی صفائی کے وکیلوں میں سے اگر ٹانڈوی صاحب کو سچا سمجھا جائے تو تھانوی صاحب کے ساتھ دربھنگی اور سنبھلی صاحبان بھی شاتم رسول قرار پا کر کفر کے سمندر میں ڈوب جاتے ہیں۔ اگر دربھنگی اور سنبھلی صاحبان کی توجیہات کو درست قرار دیا جائے تو اس حالت میں تھانوی صاحب

؎۱ توضیح البیان، مطبوعہ لاہور، ص ۱۴
؎۲ فتح بریلی کا دلکش نظارہ، ص ۳۴
؎۳ الشہاب الثاقب، مطبوعہ دیوبند، ص ۱۰۳

کے ساتھ ٹانڈوی صاحب بھی کفر کے سمندر میں ڈوبے ہوئے نظر آنے لگے۔ رہے بیچارے تھانوی صاحب تو آپ ان کے کسی بھی وکیل صاحب کی تاویل کا سہارا لیں لیکن پھر بھی باقی وکیلوں کی توجیہات کے باعث انہیں کفر کے سمندر سے کسی صورت نکلنا نصیب نہیں ہوتا۔ آخر کوئی وقت ایسا بھی آیا ہوگا کہ تھانوی صاحب کے یہ وکیل وحمایتی اندھیر کوٹھڑی میں سر جوڑ کر بیٹھے ہوں گے اور یقیناً انہوں نے کہا ہوگا۔

؎ بڑی ہمت سے ہر اک داستان پر رہا پردہ
مگر پردوں سے حضرت کا تو سارا کھل گیا پردہ

گکھڑوی صاحب! عبارات اکابر کے مصنف سے کہیئے کہ وہ ازراہ ہمدردی یا عقیدت تھانوی صاحب کے ان حمایت کرنے والوں اور وکیلوں کی اس جوتم پیزار اور سر پھٹول کا کوئی معقول اور شرعی فیصلہ کر کے تو دکھائیں۔ کوئی صورت بتائیں تو سہی کہ فلاں وکیل کی تاویل سے تھانوی صاحب کفر کے سمندر سے نکل آتے ہیں؟ کیا صورتِ حال یہی سامنے نہیں آئی کہ تھانوی صاحب کو کفر سے بچانے کی دُھن میں خود بھی کفر کے سمندر میں جا ڈوبے اور آخر میں مُصنف صاحب نے بھی برضا ورغبت اپنے آپ کو منجدھار میں جا ڈبویا کیوں نہ ہو جب کہ اللہ اور رسُول کے دشنامیوں یعنی عظمتِ خداوندی اور ناموس مصطفوی کو بازیچۂ اطفال بنانے والے کی حمایت یہی رنگ لایا کرتی ہے۔ خدا سے لڑائی مول لینے کا نتیجہ یہی نہیں تو اور کیا ہے؟ اسلام اب بھی ان حضرات سے پکار پکار کر یہی کہہ رہا ہے۔

؎ بمژگان سیہ کردی ہزاراں رخنہ در دینم
بیا کز چشم بیمارت ہزاراں زخم برچینم

تیسرا ڈرامہ۔ مولوی حسین احمد صاحب ٹانڈوی نے مذکورہ عبارتِ حفظ الایمان کی صفائی میں تیسری تاویل وتوجیہہ یہ پیش کی ہے۔

"اس جگہ یہ ہرگز ممکن نہیں کہ مقدارِ علم مغیبات میں تشبیہہ مقصود ہو کیونکہ خود ا

تھانوی صاحب ہی فرماتے ہیں کہ جملہ علوم لازمۂ نبوت آپ (حضور) کو حاصل تھے۔ [۱]

مولوی مرتضےٰ حسن صاحب دربھنگی، سابق ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند نے اس سلسلے میں اپنی تحقیقات کا دریا بہاتے ہوئے فرمایا ہے۔

"حفظ الایمان میں اس امر کو تسلیم کیا گیا ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب بعطائے الٰہی حاصل ہے۔" [۲]

تیسرے حمایتی مولوی محمد منظور سنبھلی نے تھانوی صاحب کی بگڑی یوں بنانے کی کوشش فرمائی ہے۔

"تمام کائنات حتیٰ کہ نباتات وجمادات کو بھی مطلق بعض غیوب کا علم حاصل ہے اور یہی حفظ الایمان کی عبارت کا پہلا اہم جزو ہے۔" [۳]

تھانوی صاحب کے یہ تینوں حمایتی اس تاویل وتوجیہہ میں متفق ہیں کہ سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مطلق بعض علوم غیبیہ حاصل تھے۔ جملہ علوم لازمۂ نبوت آپ کو بعطائے الٰہی حاصل تھے، حتیٰ کہ نہ صرف حضور کے لیے بلکہ جمادات ونباتات تک کے لیے علم غیب کا حصُول تسلیم کرتے ہیں۔ گویا اپنے آپ کو مسلمان منوانے پڑگئے ہیں تو لوری ہی گاتے کھائیں گے۔ اب ان تینوں حمایتی حضرات کو ایک طرف رکھیے۔ مناظرۂ مونگھیر کی روئداد مسماۃ نصرتِ آسمانی ملاحظہ فرمائیے اور تھانوی صاحب کے مذکورہ تینوں وکیلوں کو دیوبندیوں کے امام اہلسنت مولوی عبدالشکور صاحب لکھنوی کی توپ کے سامنے کھڑا کیجئے لکھنوی صاحب نے تھانوی صاحب کے مذکورہ تینوں وکیلوں کا تھانوی صاحب کی وکالت کرنے کی یوں مُنہ چڑھایا ہے۔

"جس صفت کو ہم مانتے ہیں اس کو رذیل چیز سے تشبیہ دینا یقیناً توہین ہے اور رسُول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا میں صفت علم غیب ہم نہیں مانتے اور جو مانے اس کو منع کرتے ہیں لہٰذا علم غیب کی کسی شئی کو رذیل

---

[۱] الشہاب الثاقب، مطبوعہ دیوبند، ص ۱۰۴ [۲] توضیح البیان، مطبوعہ لاہور، ص ۵
[۳] فتح بریلی کا دلکش نظارہ، ص ۸۱

چیز میں بیان کرنا ہرگز توہین نہیں ہوسکتی۔" [1]

گھڑوی صاحب! آپ نے تھانوی صاحب کے وکیلوں کی بھانت بھانت کی بولیاں تو سُن لیں لہٰذا اب عباراتِ اکابر کے مصنف سے مطالبہ تو کیجیئے کہ وہ تھانوی صاحب کے ان چاروں وکیلوں کی تاویلات وتوجیہات کو سامنے رکھ کر حفظ الایمان کی عبارت کو بے غبار اور بے داغ ثابت کرکے تو دکھائیں۔ چاروں کی تاویلات کو سامنے رکھ کر تھانوی صاحب کو کفر کے سمندر سے باہر تو دکھائیں۔ جب چاروں وکیلوں کی دور ازکار تاویلیں اور صفائی کے متضاد بیانات منظرِ عام پر آگئے تو تھانوی صاحب کے جملہ عقیدت مندوں نے بحثِ بسیار کے باوجود اپنی ناکامی ونامرادی کا سر جوڑ کر یوں ماتم نہ کیا ہوگا۔

جتنے قلعے بنائے تھے مسمار ہوگئے
رسوائے زمانہ سرِ بازار ہوگئے

بندۂ خدا! جب نہ ساری عمر میں تھانوی صاحب اپنی کفریہ عبارت کو اسلامی ثابت کرسکے اور نہ اُن کا کوئی حمایتی اور وکیل اُسے بے غبار اور بے داغ ثابت کرسکا بلکہ ہر حمایتی نے بھی بالواسطہ تھانوی صاحب کی تکفیر پر مہرِ تصدیق ہی ثبت کی ہے۔ دریں حالات ہم کلمہ گوئی کا لحاظ کرتے ہوئے عباراتِ اکابر کو یہ خیر خواہانہ دعوت دیتے ہیں کہ وہ اللہ اور رسول کے دشمنوں کی حمایت سے دست بردار ہوکر توبہ کرلیں اور دائرہ اسلام میں آجائیں کیونکہ اس میں دارین کی بھلائی ہے۔ اپنے اُستادوں یا پیروں کی ناجائز حمایت میں اللہ اور رسول کی دشمنی مول لینا، اپنے ہاتھوں اپنی عاقبت برباد کرنا آخر کہاں کی دانشمندی ہے۔

من آنچہ شرطِ بلاغ است باتو می گویم
تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

کافر بنانا۔ عباراتِ اکابر کے مصنف نے اکابرِ دیوبند کی صفائی پیش کرتے ہوئے مجددِ مائۃ حاضرہ، امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ پر یہ مضحکہ خیز الزام بھی عائد کیا ہے

[1] نصرتِ آسمانی۔ ص ۲۷

۱۔ انہوں (علمائے دیوبند) نے معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہرگز کوئی توہین نہیں کی اور نہ ان کے وہم میں بھی اس کا خیال گزرا ہے مگر خاں صاحب بلا وجہ ان کو کافر بنانے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔" [1]

۲۔ مگر خاں صاحب کا مشن ہی ان کو کافر بنانے کا تھا۔" [2]

۳۔ حالانکہ شرعًا اور اخلاقًا ان (فاضل بریلوی) کا فریضہ تھا کہ اپنے اس ناروا فتوے سے رجوع کرلیتے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا کیونکہ ان کا مشن ہی یہ تھا کہ دیگر اکابر علمائے دیوبند [illegible] حضرت تھانوی کو بہر قیمت کافر بنانا ہے۔" [3]

جہاں تک مذکورہ بیانات کی پہلی شق کا تعلق ہے تو وہ اصل [illegible] نے راہِ کفر اختیار کرلی تھی کیونکہ انہوں نے اللہ اور رسول کو صاف [illegible] کفریہ عبارتوں کو جیتے جی بدل کر اسلامی نہیں بنایا۔ مرتے دم تک اس [illegible] نہیں کی اور جب تک دُنیا میں رہے تو مقدس شجرِ اسلام کے اندر غیر اسلامی عقائد ونظریات کی قلمیں ہی لگاتے رہے اور یہ بات ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہے۔

رہا مصنف صاحب کا دوسرا دعویٰ کہ اکابرِ دیوبند کو مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے کافر بنایا تھا کیونکہ ان کا مشن ہی کافر بنانا تھا اور وہ اُنہیں کافر بنانے پر ادھار کھائے بیٹھے تھے تو اس مرحلے پر ہم اپنی کوتاہ علمی کا صاف لفظوں میں اعتراف کرتے ہیں ہمیں آج تک ایک بھی ثبوت ایسا نہیں مل سکا کہ امام احمد رضا خاں بریلوی نے اکابرِ دیوبند کے پاس جاکر یا انہیں اپنے پاس بلاکر یا کسی کی معرفت اُن سے کہا ہو کہ آپ حضرات اسلام کو چھوڑ کر کافر ہوجائیں، کفر کے سمندر میں چھلانگ لگا دیں اور یوں اپنے آپ کو جہنم کا ایندھن بنالیں۔ اسی طرح یہ بھی ہماری علمی تنگ دامانی ہے کہ امام احمد رضا خاں بریلوی صاحب بہر قیمت تھانوی صاحب کو کافر بنانے پر تُلے ہوئے تھے تو انہوں کتنی قیمت ادا کرکے تھانوی صاحب کو کافر بنایا تھا؟ ممکن ہے عباراتِ اکابر کے مصنف کے علم میں یہ بات ہو کہ تھانوی صاحب کے

---

[1] عباراتِ اکابر، مطبوعہ اشرف پریس لاہور، ۱۳۹۲ھ، ص ۲۱۸

[2] ایضاً، ص ۲۱۷

[3] عباراتِ اکابر، مطبوعہ اشرف پریس لاہور، ۱۳۹۲ھ، ص ۲۲۳

ایمان کی قیمت کیا تھی اور انہوں نے اپنے ایمان کو کتنے داموں میں فروخت کیا تھا؟ اگر وہ یہ
بھی بتا دیں تو ان کی عالمانہ نوازش ہوگی۔

گھڑوی صاحب! تینوں عبارتیں آپ بھی بغور ملاحظہ فرمالیں۔ آخر عبارات اکابر کے مصنف
صاحب یقیناً اتنے جاہل تو ہرگز نہیں ہوں گے کہ وہ بنانے اور بتانے کا فرق نہ جانتے ہوں
لہٰذا انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ سمجھ سوچ کر لکھا ہوگا۔ موصوف کی تینوں عبارتوں کا ماحصل یہ
تو ہوا کہ [illegible] وہ کافر تو ضرور ہو گئے تھے لیکن انہیں مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے
کافر بنایا تھا کیونکہ وہ انہیں کافر بنانے پر تُلے ہوئے تھے۔

گھڑوی صاحب! آپ عبارات اکابر کے مصنف کو حقیقت نفس الامری سے مطلع
کر دیں کہ ان پانچوں حضرات کو امام احمد رضا خاں بریلوی یا اہل حق کے کسی بھی عالم نے کافر نہیں
بنایا کیونکہ وہ جملہ حضرات تو کافروں کو مسلمان بنانے پر من جانب اللہ مامور تھے۔ ہاں ان پانچوں
حضرات کو کافر بنایا تو انگریز کے وظیفوں، نذرانوں اور لقمۂ تر نے، خود ان حضرات کی حرص و ہوا
اور پیٹ پرستی نے نیز خوفِ خدا اور خطرۂ روزِ جزا سے عاری ہونے نے۔ جس کے باعث ان
پانچوں حضرات نے مقدس شجرِ اسلام کے اندر غیر اسلامی عقائد و نظریات کی قلمیں لگا کر اپنی ایمان
جیسی متاعِ عزیز کو اپنے ہاتھوں ضائع کر دیا تھا۔ امام احمد رضا خاں بریلوی اور اہل حق کے [illegible]
نظر نے تو ازراہِ خیرخواہی مسلمانوں کو صرف یہ بتایا تھا کہ ان پانچوں میں سے کسی کے پیچھے لگ کر
اُسے اپنا رہنما اور پیشوا بنا کر تم بھی اپنی عاقبت برباد نہ کر لینا اپنے ایمان کی دولت سے محروم
ہو جانا۔

خود ان حضرات کے پیر و مرشد، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سمجھایا
[illegible] تھا۔ انہوں نے رفع نزاع کی خاطر اپنا عقیدہ و عمل لکھوا کر فیصلہ ہفت مسئلہ کے نام
سے [illegible] پیر و مرشد کے فیصلے کی [illegible] عقیدت و احترام اور پوری نیاز مندی
سے [illegible] فیصلہ صادر ہو گیا تھا۔ کیا قبلہ حاجی صاحب کا مشن بھی کافر بنانا
نہیں ہو گیا تھا۔ اسی طرح سارے ملک کے علمائے کرام سراپا احتجاج تھے کیونکہ ان کے [illegible]
کی تقدیس اور حبیبِ کردگار احمد مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت پر چند مولوی کہلانے والے

ناپاک حملے کر کے ان کے قلب و جگر کو چھلنی کر رہے تھے، ان کی ایمانی غیرت کو للکار رہے تھے۔ جملہ
اہل علم حضرات نے سمجھایا بجھایا لیکن چند لوگوں نے پیٹ پرستی کے باعث کسی کی نہ سنی۔
برٹش گورنمنٹ کی پُراسرار حمایت کے باعث سارے ملک کے احتجاج کو ٹھکراتے رہے اور یوں
ملتِ اسلامیہ کو اپنی دین فروشی کے باعث تڑپاتے رہے اور جاتے وقت اسلامیانِ ہند پر
چند جدید فرقوں کا بوجھ لاد گئے۔

معافی مانگتے ۔ عبارتِ اکابر کے مصنف نے عبارت حفظ الایمان کی مختلف [illegible]
میں صفائی بیان کرتے ہوئے بھول بھلیاں کی سیر کے خوب مزے لوٹے ہیں۔ علمائے اہلسنت
کو دل کھول کر بے نقط سنائی ہیں اور اپنی چلتی خوب سینہ زوری اور دھینگا مشتی کا مظاہرہ
کیا ہے۔ حالانکہ موصوف سے تھانوی صاحب کا کفر بال برابر بھی ہٹایا نہیں جا سکا لیکن کس مزے سے
[illegible] اور مضحکہ خیز حکم صادر فرما رہے ہیں:

> خاں صاحب کا پہلے تو یہ فریضہ تھا کہ تکفیر جیسے سنگین قدم کے اٹھانے
> سے پہلے حضرت تھانوی صاحب سے ان کی مراد دریافت کر لیتے۔ اگر اُن کی مراد
> سے توہین کا ادنیٰ سا احتمال بھی نکلتا تو بلاشبہ ان کی تکفیر
> کرتے بلکہ یوں کہتے کہ تھانوی ڈبل کافر ہے اور دوسرے درجے پر ان کا یہ فریضہ
> تھا کہ جب حضرت تھانوی نے اپنی مراد بیان کر دی اور اس پہلو اور اس مطلب
> و مراد کو کفر کہا جس کو لے کر خاں صاحب ان کی بلا وجہ تکفیر کر رہے ہیں تو خاں صاحب
> کے لیے مناسب تھا کہ وہ اپنے اُس ظالمانہ فتویٰ سے رجوع کرتے اور اخبارات و
> اشتہارات میں اُسے شائع کرتے کہ میں نے تھانوی صاحب کی عبارت سے جو مراد
> سمجھی ہے تھانوی صاحب خود بھی اُسے کفر کہہ رہے ہیں اس لیے میں اپنے اس
> فتویٰ سے رجوع کرتا ہوں اور تھانوی صاحب اور اُن کے معتقدین سے معافی
> کا خواستگار ہوں۔ ...[1]

---

[1] عبارات اکابر، مطبوعہ لاہور، ص ۲۱۹

گکھڑوی صاحب: آپ بغیر کسی جھجک کے عباراتِ اکابر کے مصنف سے یہ فرما دیں کہ
تھانوی صاحب نے جو اپنی مراد ظاہر کی اگر ان کا کوئی معتقد اُسے اسلامی ثابت کر سکے یا
اس کفریہ عبارت کے اندر اس کے علاوہ ایک بھی اسلامی پہلو ثابت کر دے تو اختر شاہجہانپوری
وعدہ کرتا ہے کہ وہ اخبارات و اشتہارات کے ذریعے یہ اعلان کر دے گا کہ تھانوی صاحب کی تکفیر
میں غلطی ہو گئی تھی اور تھانوی صاحب کے معتقدین سے معافی بھی مانگ لے گا۔ اس کے بالمقابل
اگر وہ تھانوی صاحب کی عبارت میں کوئی اسلامی پہلو ثابت نہ کر سکیں تو اپنے چاروں ارباباً
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کو کافر و مرتد مان کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے اور توبہ کرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔
اگر جواب اثبات میں ہے تو تحریری وعدہ کر کے افہام و تفہیم کی غرض سے سلامت روی کے ساتھ
تحریری گفتگو شروع کر دی جائے۔ تحریروں کی روشنی میں حقیقت چھن کر خود ہی سامنے آ جائے
گی۔ کیا یہ بہتر نہیں کہ افہام و تفہیم کے ذریعے اس المناک اختلاف کے کانٹے کو کنزیش سے نکال
کر باہر پھینک دیا جائے۔ ہم عباراتِ اکابر کے مصنف کے تحریری وعدے کا آج سے ہی انتظار
شروع کر دیتے ہیں۔

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

گکھڑوی صاحب: عباراتِ اکابر کے مصنف کی ساری لن ترانیوں کا انتہائی معقول
جواب ہو گیا یا نہیں؟ اب آپ انھیں یہ بھی بتا دیں کہ حضورِ والا! آپ تجاہلِ عارفانہ سے
کام لے رہے ہیں کیونکہ امام احمد رضا خاں بریلوی نے ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء میں المعتمد المستند
کے اندر جب پانچ حضرات کی تکفیر کا شرعی فریضہ ادا کیا تھا تو اس وقت حفظ الایمان کی عبارت
کو منظرِ عام پر آئے ایک سال، گنگوہی صاحب کے فتوائے کذب وقوعی کو بارہ سال، براہینِ قاطعہ
کو سولہ سال اور تحذیر الناس کو پورے تیس سال ہو چکے تھے۔ اس عرصے میں رد و تردید کا بازار خوب
گرم رہا اور فریقین کی جانب سے سینکڑوں کتب و رسائل اور اشتہارات منظرِ عام پر آ گئے۔ یہاں
تک کہ بریلی شریف سے ساری کفریہ عبارتوں کا مجموعی رد شائع ہوا اور اس میں سے بیس سوال

منتخب کر کے ایک وفد کے ذریعے تھانوی صاحب کے پاس بھیجے گئے کہ ان کا اپنے قلم سے
جواب دیجیے۔ اس پر دیوبندی حضرات کے مجددِ دین و ملت نے مجددانہ شان دکھاتے ہوئے اراکینِ
وفد سے فرمایا:

ایک نہ، ہزار نہ، معاف کیجیے میں اس فن میں جاہل ہوں اور میرے اساتذہ
بھی جاہل ہیں۔ جو شخص تم سے دریافت کرے اُسے ہدایت کرو۔ طبیب کا
کام نسخہ لکھ دینا ہے، یہ نہیں کہ مریض کی گردن پہ چھری رکھ دے کہ تو پی لے۔
تم اپنی اُمت میں سب کو داخل کر لو۔ میں جو کچھ کہہ چکا ہوں کہوں گا۔ مجھے
معقول بھی کر دیجیے تو وہی کہے جاؤں گا۔ مجھے معاف کیجیے۔ آپ جیتے،
میں ہارا۔[1]

جب تھانوی صاحب نے یوں جان چھڑائی اور تحریری جواب مطلقاً نہ دیا تو آستانہ عالیہ
بریلی شریف کی جانب سے وہی سوالات ان کے پاس بذریعہ رجسٹری بھیجے گئے۔ موصوف نے
رجسٹری واپس کر دی۔ تیسری مرتبہ چھاپ کر رسالہ ظفر الدین الجید ۱۳۲۲ھ کی صورت میں ان کے سامنے پیش
کیے لیکن دیوبندیوں کے حکیم الامت اور مجددِ دین و ملت کا منہ ذرا نہ کھلا اور نہ قلم حرکت میں آیا۔
چوتھی مرتبہ رسالہ بطش غیب ۱۳۲۳ھ کی صورت میں تھانوی صاحب کو جواب دینے کی جانب متوجہ کیا
اور دیگر تمام علمائے دیوبند کو دعوت دی کہ اپنے ان کفریات کے بارے میں بولیے۔ اگر آپ
کے پاس ان خرافات کی تاویلیں ہیں تو اُن تاویلات کے چہرے کھولیے۔ ان علمی و ایمانی مطالبوں
کا جواب سرکار کے پالتو چھوکروں نے گالیوں اور مغالطوں سے دیا جبکہ حکیم الامت سے
شیخ الہند تک کہلانے والوں پر خاموشی اور خود فراموشی کا عالم طاری رہا یعنی رہی یا مظہر العجائب
کہ جواب مع مجیب غائب۔

گکھڑوی صاحب: غور تو فرمائیے کہ ان حالات میں جواب کس کے گھر سے یا کونسے
بازار سے منگوایا جاتا؟ اب ذرا مصنف صاحب سے پوچھیے تو سہی کہ امام احمد رضا خاں

[1] وقعات السنان، مطبوعہ لاہور، صفحہ ۶۰

بریلوی نے کیا تھانوی صاحب سے کچھ پوچھا ہی نہیں تھا؟ بندۂ خدا! ایک مولوی کہلاتے ہوئے کیا مصنف صاحب کو عالم آشکار میں ایسا سفید جھوٹ زیب دیتا ہے؟ جواب نہ دیں تھانوی صاحب، خاموش رہنے کی قسم کھائیں دیوبندیوں کے حکیم الامت صاحب، اپنے اوپر سے کفر کا الزام ہٹانے کی جانب ایک قدم بھی نہ بڑھائیں مصنف کے مجدد دین و ملت صاحب اور مورد الزام قرار پائیں ان کے نزدیک امام احمد رضا خاں بریلوی۔ کیا سر بازار انصاف کا یوں خون کر کے اور حقائق کا منہ چڑا کر دیانت و صداقت کے تقاضے پورے کئے جا رہے ہیں؟

گکھڑوی صاحب! جب جواب مانگنے پر تھانوی صاحب نے ارائین وفد سے برملا کہہ دیا کہ جواب دینے سے میرا ایک دفعہ نہیں ہزار بار انکار ہے۔ میں ہرگز جواب نہیں دوں گا۔ مجھ پر ثابت بھی ہو جائے کہ میں غلطی پر ہوں تب بھی جواب نہیں دوں گا۔ میں روحانی مریض سہی لیکن ایمانی دوائی پینے سے میرا صاف انکار ہے کیونکہ جس کمبل کو پکڑ بیٹھا ہوں اُسے چھوڑنے کی اب لاکھ کوشش بھی کروں تب بھی وہ کمبل مجھے نہیں چھوڑے گا۔ اب میری مرضی کا دخل ختم ہو چکا ہے کیونکہ میں کسی کے ہاتھوں میں اب چوں قلم در دست کاتب ہو کر رہ گیا ہوں۔ چونکہ میں تخریب دین و افتراق بین المسلمین پر مامور ہوں لہٰذا جیتے جی باطل پر قائم رہوں گا اور اسی کو حق و صداقت بتاتا رہوں گا اور بس۔

گکھڑوی صاحب! ملاحظہ فرمایا آپ نے مصنف صاحب کا آنکھیں بند کر کے تھانوی صاحب سے تو کچھ کہا ہی نہیں گیا تھا۔ ان سے تو پوچھا ہی کچھ نہ تھا۔ سینکڑوں واقعات اور رسائل و اشتہارات کے مضمون چھوڑتے ہوئے ذرا انہیں مجدد مائۃ حاضرہ امام احمد رضا خاں رضوی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ مکتوب گرامی تو سنا دیجئے جو انہوں نے اسی نزع کو رفع کرنے کی خاطر [illegible] ہی تھانوی صاحب کے لیے بھیجا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

السلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔ فقیر بارگاہ عزیز قدیر عزّ جلالہٗ دو مہینوں سے آپ کو دعوت دے رہا ہے۔ اب حسب معاہدہ و قرار داد مراد آباد

پھر محرک ہے کہ آپ کو سوالات و مواخذات حسام الحرمین کی جواب دہی کو آمادہ ہوں۔ میں اور آپ جو کچھ کہیں، لکھ کر کہیں اور سنا دیں اور وہ مہری دستخطی پرچہ اُسی وقت فریق مقابل کو دیتے جائیں کہ فریقین میں سے کسی کو کہہ کر بدلنے کی گنجائش نہ رہے۔

معاہدے میں ۲۰ صفر مناظرہ کے لیے مقرر ہوئی ہے۔ آج ۱۵ کو اس کی خبر مجھ کو ملی۔ گیارہ روز کی مہلت کافی ہے۔ وہاں بات ہی کتنی ہے؟ اسی قدر کہ یہ کلمات شانِ اقدس حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں توہین ہیں یا نہیں؟ یہ بعونہٖ تعالیٰ دو منٹ میں اہل ایمان پر ظاہر ہو سکتا ہے۔ لہٰذا فقیر اُس عظیم ذوالعرش کی قدرت و رحمت پر توکل کر کے یہی ۲۰ صفر روز جان افروز دوشنبہ اس کے لیے مقرر کرتا ہے۔ آپ فوراً قبول کی تحریر مہری و دستخطی روانہ کریں اور ۲۰ صفر کی صبح مراد آباد میں ہوں .... اور آپ بالذات اس امر اعظم کو طے کر لیں۔

اپنے دل کی جیسی آپ بتا سکیں گے وکیل کیا بتائے گا؟ عاقل، بالغ، مستطیع، غیر محذرہ کی توکیل کیوں منظور ہو؟ معہٰذا یہ معاملہ کفر و اسلام کا ہے، کفر و اسلام میں وکالت کیسی؟ اگر آپ خود کسی طرح سامنے نہیں آ سکتے تو وکیل ہی کا سہارا ڈھونڈیئے تو یہی لکھ دیجئے، اتنا تو حسب معاہدہ آپ کو لکھنا ہی ہوگا کہ وہ آپ کا وکیل مطلق ہے۔ اس کا تمام ساختہ و پرداختہ قول سکوت، نکول، عدول سب آپ کا ہے اور اس قدر اور بھی ضرور لکھنا ہوگا کہ اگر بعونہ العزیز المقتدر عزّ جلالہٗ آپ کا وکیل مغلوب یا معترف یا ساکت یا فرار ہوا تو کفر سے توبہ علی الاعلان آپ کو کرنی اور چھاپنی ہوگی کہ توبہ میں وکالت نا ممکن ہے اور علانیہ کی توبہ علانیہ لازم۔

میں عرض کرتا ہوں کہ آخر بار آپ ہی کے سر رہتا ہے کہ توبہ کرنی ہوگی تو آپ ہی پوچھے جائیں گے۔ پھر آپ خود ہی اس دفع اختلاف کی ہمت کیوں نہ کریں؟ کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی کرنے کو آپ تھے اور بات بنانے دوسرا آئے؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ آپ برسوں سے ساکت اور آپ کے حواری رفع خجالت کی سعی بے حاصل کرتے ہیں...... آخر تا کجے؟ یہ اخیر دعوت ہے اس پر بھی آپ سامنے نہ آئے تو الحمد للہ میں فرض ہدایت ادا کر چکا۔ آئندہ کسی کے خرخر پر التفات نہ ہوگا۔ منوا دینا میرا کام نہیں اللہ

عزوجل کی قدرت میں ہے واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم وصلی اللہ تعالیٰ
علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین والحمد للہ رب العلمین ۔

۱۵ صفر المظفر ۱۳۲۹ھ فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ[1]

چہار شنبہ

گھکھڑوی صاحب ! ذرا عباراتِ اکابر کے مصنف سے کہیے کہ وہ مذکورہ بالا خط کے ہر فقرے میں اصلی وجعلی مجدد کا فرق دیکھ لیں۔ نیز پوچھیے کہ امام احمد رضا خاں بریلوی نے تھانوی صاحب سے پوچھنے میں کونسی کسر اُٹھا رکھی تھی؟ لیکن تھانوی صاحب کو مرتے دم تک لب کشائی کی جرأت نہ ہوئی۔ دعوت کے جواب میں قرارداد مرادآباد کی رُو سے جہاں مرادآباد جانے اور مجدد برحق کے سامنے پہنچنے کی جرأت نہ ہوئی وہاں گھر کے اندر بیٹھ کر بھی کوئی معقول اور اسلامی توجیہ تا زیست بیان نہ کر سکے۔

جب تھانوی صاحب نے اپنی صفائی میں چو ورقی بسط البنان لکھی تو سب کو معلوم ہو گیا کہ اُن کے پلّے حفظ الایمان کی صفائی میں کچھ بھی نہیں ہے ورنہ ان دُور از کار اور نامعقول تاویلات کا سہارا کیوں لیا جاتا؟ تھانوی صاحب نے حفظ الایمان کی صفائی میں جو کچھ بسط البنان کے اندر لکھا اُس کے پرخچے شہزادۂ اعلیٰ حضرت، مفتی اعظم ہند، مولانا مصطفےٰ رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے وقعات السنان لکھ کر اُڑا دئے اور مسئلہ علم غیب پر جتنا منہ کھولا تھا اُسے ادخال السنان لکھ کر ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔ وقعات السنان کے اندر تھانوی صاحب سے ایک سو بتیس ۱۳۲ سوال کیے تھے کہ ان کا نمبروار جواب دیجیے۔ ۱۳۳۰ھ سے ۱۳۶۲ھ تک بتیس ۳۲ سالوں میں تھانوی صاحب سے ایک سوال کا جواب بھی نہ ہو سکا اور نہ تھانوی صاحب کا کوئی بڑے سے بڑا حامی ان کا جواب دے کر اپنے مجدد دین وملت کی بگڑی بنا سکا۔ حضرت مفتی اعظم ہند نے تھانوی صاحب پر اتمام حجت کرتے ہوئے یہ اعلان بھی فرمایا تھا:

"اس ایمانی معاہدہ کی طرف آپ کو دعوت ہے، جس کی ابتدا ہم خود کریں۔ ہم سچے دل سے اقرار کرتے ہیں کہ اگر آپ نے ان سب سوالات کا جُدا

[1] مجدد اسلام، مطبوعہ انڈیا، ص ۱۸۴ تا ۱۸۶

جُدا معقول جواب لکھ دیا جس میں نہ اُڑان گھائی ہو نہ ہیر پھیر کترانا، نہ مکابرہ ڈھٹائی ہو، نہ دھوکے دے کر عوام کو چندلانا تو ہم صاف اعلان کر دیں گے کہ حفظ الایمان پر تکفیر غلط تھی اور اگر آپ ایسا نہ سمجھ لیں کہ الزام لاجواب ہے تو خدا کو مان کر انصافاً قبول دیں کہ واقعی حفظ الایمان میں آپ نے کفر لکھا ہے، اب مسلمان ہوتے ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اس میں آپ کی کچھ سبکی نہ ہوگی بلکہ ہر عاقل کے نزدیک وقعت بڑھ جائے گی۔" (وقعات السنان ص ۱۱)

گھکھڑوی صاحب ! عباراتِ اکابر کے مصنف سے پوچھتے چلیے کہ تھانوی صاحب سے کچھ پوچھا گیا تھا یا نہیں؟ مصنف صاحب بھی درحقیقت مجبور ہیں کہ اُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ کی طرح وہ اپنے تھانوی صاحب کی محبت وعقیدت سے سرشار ہیں۔ اُن کے دماغ میں صرف ایک ہی دھن سمائی ہے کہ تھانوی صاحب نے خواہ کچھ بھی کیا لیکن امام احمد رضا خاں بریلوی کو ان سے معافی مانگ لینی چاہیے تھی۔ وہ اپنے اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ پر تنقید کرنے کا کسی کو بھی حق دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

چلیے یہ بات ۱۳۳۰ھ کی تھی۔ ۱۳۴۵ھ میں ایک صاحب دل اور با اثر مسلمان جمال بھائی قاسم بھائی نے کوشش کی کہ اختلاف کا یہ کتا کنوئیں سے نکالنا بہت ضروری ہے اور مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی اور مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کی زندگی میں اس تصفیے کی امید ہو سکتی ہے کیونکہ چاروں اکابر دیوبند سے یہ دونوں حضرات ابھی بقید حیات ہیں۔ اپنی عبارتوں کی جو توجیہ یہ بتا سکتے ہیں وہ دوسرے سے متصور نہیں اور نہ اس پر اُس درجہ اعتماد کہ شاید قائل کی یہ مراد نہ ہو۔ مولوی خلیل احمد صاحب ان دنوں عرب میں تھے۔ وہیں ان کے پاس دعوتِ مناظرہ بھیجی گئی اور ہندوستان آنے کے مصارف کو ادا کرنے کا وعدہ بھی کیا لیکن موصوف نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تھانوی صاحب سے کہا گیا کہ اپنی زندگی میں سامنے آکر آپ ہی یہ اختلاف مٹانے کی جانب کوئی قدم بڑھا دیں۔ اس پر موصوف تو خاموش رہے اور ان کے حواریوں نے علمائے اہل سنت پر ملک کے گوشے گوشے سے گالیوں کی بارش برسانی شروع کر دی۔ آخر شہزادہ اعلیٰ حضرت، حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۶۲ھ)

۱۹۴۳ء) سے مولوی اشرف علی صاحب تھانوی[1] کے پاس یہ گرامی نامہ بھیجا۔

بخدمت وسیع المناقب جناب مولوی اشرف علی صاحب ہداہ اللہ تعالیٰ

السلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔ فقیر ایک فیصلہ کن مناظرہ کے لیے آپ سے ہرطرح تیار ہے۔ مسلمانان بادرہ کی آواز پر فوراً فوراً بادرہ چلیے اور تاریخ وقتِ روانگی سے سیٹھ صاحب اور فقیر کو مطلع کیجیے۔ میں بارکاب منتظر جواب ہوں۔ جھوٹے حیلے بہانے نہ بنائیے، فوراً اپنی مہری و دستخطی تحریر بذریعہ رجسٹری بھیجیے اور بادرہ نہ جانا ہو، وہاں کچھ زیادہ مصیبت کا سامنا ہو تو جہاں آپ کو زیادہ آسانی ہو وہاں انتظام کرائیے۔ ایک ہفتہ کی مہلت ہے۔ مناظرہ سے انکار عجز کا اقرار اور سکوت فرار پر قرار ہوگا۔ خبر شرط است۔

گدائے سجادۂ رضویہ فقیر محمد حامد رضا قادری بریلوی غفرلہ

اس دعوتِ مناظرہ کا حشر بھی وہی ہوا جو تھانوی صاحب شروع سے کرتے آرہے تھے کہ مکمل خاموشی کی ٹھان لی گویا ہاں اور نہ دونوں کو جواب۔ نہ مردِ میدان اور خیر خواہ اسلام و مسلمین بن کر مناظرہ کرنے گئے اور نہ انکار کیا۔ مولوی مرتضیٰ حسن صاحب دربھنگی کئی روز پہلے سے اچھلتے پھر رہے تھے کہ میں تھانوی صاحب کا وکیل ہوں جب تھانوی صاحب سے اس توکیل کی تصدیق چاہی تو وہ مہر بلب ہوگئے۔ دربھنگی صاحب سے وکالت نامہ دکھانے کا مطالبہ ہوا تو ان کے پاس وکیل مطلق بنانے کی مطلقاً کوئی تحریر تھانوی صاحب کی مہری دستخطی سرے سے تھی ہی نہیں۔ یہ ہے تھانوی صاحب اور ان کے چیلے چانٹوں کی اسلام دوستی اور حق و صداقت سے لگاؤ جس کے باعث امام احمد رضا خاں بریلوی ہی نہیں بلکہ اس دور کے ہر صاحب ایمان کو مصنف صاحب کے نزدیک ان کے تھانوی صاحب سے معافی مانگ لینی چاہیے تھی۔ کیونکہ دنیا میں ایسی پراسرار ہستیاں کہیں صدیوں بعد جاکر پیدا ہوتی ہیں جن کا وجود مرنے کے بعد بھی ملتِ اسلامیہ کے لیے مستقل دردِ سر ہوکر رہ جاتا ہے۔

خیر جانے دیجیے مصنف صاحب تو یہی فرمائیں گے کہ تھانوی صاحب سے ان کی مراد

[1] ماہنامہ السواد الاعظم مراد آباد، بابت ربیع الثانی ۱۳۶۲ھ

پوچھی ہی کب گئی تھی۔ اس کے سات سال بعد ۱۳۵۲ھ میں انجمن حزب الاحناف لاہور کے سالانہ جلسے ہورہے تھے۔ ضروری سمجھا گیا کہ چاروں اکابر دیوبند سے تھانوی صاحب ابھی بقید حیات ہیں۔ اگر وہ بنفس نفیس تشریف لاکر اس امر کا علمی تصفیہ کرلیں تو اسلامیان ہند کی بہت بڑی پریشانی دور ہوجائے۔ تھانوی صاحب کے لاہوری معتقدین نے بھی اس رائے سے اتفاق کیا اور قرار یہ پایا کہ امام احمد رضا خاں بریلوی کے خلفِ اکبر مولانا حامد رضا خاں بریلوی اور تھانوی صاحب کے درمیان مناظرہ ہو۔ اگر فریقین میں سے کسی کو اشد مجبوری و معذوری کا سامنا ہو جائے تو وہ کسی کو اپنا وکیل مطلق مقرر کردے کہ جس کی فتح و شکست مؤکل کی شمار ہوگی۔ چنانچہ حزب الاحناف لاہور کی جانب سے تھانوی صاحب کو ۲۵ نومبر ۱۹۳۳ء کو دن کے دس بجے یہ جوابی تار ارسال کیا گیا۔

جناب مولوی اشرف علی صاحب تھانہ بھون ضلع مظفر نگر

حزب الاحناف کے جلسے ہورہے ہیں۔ علمائے اہلسنت کے تمام اکابر کا اجتماع ہے۔ اس بہتر موقع پر آپ تشریف لاکر حفظ الایمان، براہین قاطعہ، تحذیر الناس کی عبارات کے متعلق تصفیہ کرلیں تاکہ تمام ہندوستان کی پریشان کن جنگ کا خاتمہ ہوجائے اس موقع پر تکلیف سفر گوارا کرنا آپ پر لازم ہے۔ تار کے ذریعے سے تشریف آوری کے وقت سے اطلاع دیجیے آپ کا سیکنڈ کلاس کا کرایہ تشریف لانے پر پیش کیا جائے گا اور ہر ممکن آسائش پہنچائی جائے گی۔[1]

تھانوی صاحب جب اس تار کا جواب بھی حسبِ عادت ہضم فرما گئے تو ان کے لاہوری معتقدین کو بھی بڑا صدمہ پہنچا کہ ہمارے مجدد دین و ملت صاحب کو یہ ہو کیا گیا ہے۔ تھانوی صاحب کو اپنی اور اپنے اکابر کی کفریہ عبارتوں میں اسلامی پہلو کی کوئی رمق بھی نظر آتی تو ضرور اہل حق کے سامنے آتے۔ سامنے آنے میں انھیں رسوائی کے سوا اور کچھ نظر آتا نہیں تھا اس لیے نہ انہوں نے کبھی روبرو ہونا تھا اور نہ ہوئے، ہاں اپنے چند چیلے چانٹے اور سرکاری خرچ پر پالے ہوئے پٹھو بھیج دیتے تھے۔ جن کی موجودگی میں فریقین نے مناظرہ کے لیے ۱۵ شوال ۱۳۵۲ھ کا روز مقرر کیا اور قبلہ ابوالبرکات سید احمد ناظم انجمن حزب الاحناف لاہور نے تھانوی صاحب کے نام اطلاع کا خط بھیجا جس کے آخری چند جملے یہ ہیں:

[1] آخری قطعی فیصلہ کن لاہور کا مناظرہ، مطبوعہ لاہور، ص ۵-۶

کاش ! ہماری منصفانہ معروض قبول فرماکر آپ لاہور تشریف لے آتے اور عبارات حفظ الایمان براہین قاطعہ، تحذیر الناس کے متعلق اکابر اہلسنت سے (جو جلسہ میں رونق افروز تھے) فیصلہ کن مناظرہ ہوکر تصفیہ ہوجاتا اور فریقین سے حقارت و منافرت کا سلسلہ منقطع ہوکر اس عالمگیر مذہبی جنگ کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہوجاتا۔ ہمیں آپ کے اس موقع پر سکوت و بے اعتنائی اختیار کرنے کا نہ صرف افسوس بلکہ بے حد رنج ہے۔ خیر اب چونکہ آپ کے معتقدین و حامئین شہر لاہور...... نیز جناب محترم سردار محمد خانصاحب ناظم جمعیت الاحناف نے مولوی محمد منظور صاحب سنبھلی اور مولوی ابوالقاسم صاحب اور مولوی محمد اسمٰعیل صاحب اور مولوی عبدالحنان صاحب لاہوری کے سامنے ان کے مشورہ سے فیصلہ کن مناظرہ کے لیے ۱۵ شوال ۱۳۵۲ھ کا دن مقرر فرماکر فریقین کے اتفاق سے اپنے دستخطوں سے ہمیں تحریر عطا فرمادی ہے، جو عنقریب شائع کردی جائے گی۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ اس تاریخ پر آپ بنفس نفیس لاہور قدم رنجہ فرماکر فیصلہ کن مناظرہ کرکے ہمیشہ کے لیے فریقین میں صلح و آشتی اور محبت و اتحاد کی بنیاد قائم کردیں گے۔ فقط

جواب کا منتظر، فقیر قادری ابوالبرکات سید احمد......[1]

گکھڑوی صاحب ! مولانا حامد رضا خاں بریلوی کئی روز پہلے ہی لاہور تشریف لے آئے تھے اور اہلسنت کے اکثر علمائے کرام بھی تشریف فرما ہوئے لیکن عباراتِ اکابر کے مصنف سے پوچھیے کہ تھانوی صاحب اپنے تھانہ بھون کی زمین سے کیوں چمٹ گئے تھے؟ کیوں لاہور آنے اور تصفیہ کر لینے کی ضرورت محسوس نہ فرمائی؟ ساتھ ہی یہ بھی دریافت کر لیجیے کہ تشریف نہ لانے کی صورت میں کسی کو اپنا وکیل مطلق بناکر کیوں نہ بھیجا؟ رفعِ اختلاف و دفعِ نزاع کی خاطر نہ خود تشریف لانا اور نہ کسی کو وکیل مطلق بنانا، آخر اس ستم ظریفی کا نتیجہ جو سلسلہ جاری رکھنا کس وجہ سے تھا صورت حال واضح ہے کہ امام احمد رضا خاں بریلوی اور ان کے خلفاء تھانوی صاحب کو آخری دم تک لب کشائی کی دعوت دیتے رہے، رُوبرو ہوکر کہنے اور سُننے کے لیے بلاتے رہے لیکن تھانوی صاحب اس دنیا کو خیر باد کہہ گئے لیکن کبھی

[1] آخری قطعی فیصلہ کن لاہور کا مناظرہ۔ مطبوعہ لاہور، ص ۶

علمائے اہلسنت کے سامنے آنے کی جرأت نہیں کی۔

گکھڑوی صاحب ! عباراتِ اکابر کے مصنف سے پھر پوچھیے کہ حضورِ والا ! امام احمد رضا خاں بریلوی اور ان کے خلفاء نے تھانوی صاحب سے عبارت حفظ الایمان کے سلسلے میں کبھی کچھ پوچھا تھا یا نہیں؟ خیر وُہ انکار کریں یا اقرار لیکن اس کتاب کو پڑھنے والے قارئین کو ضرور یہ شعر یاد آگیا ہوگا۔

کل تلک حجام سب کا مونڈتا پھرتا تھا سر
آج اس کوچے میں اس کی بھی حجامت ہوگئی

تکفیر بند کرو۔ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے عقیدہ ختمِ نبوت میں نانوتوی صاحب کی طرح ترمیم کی، انبیائے کرام کی شان میں گستاخانہ عبارتیں لکھیں اور سب پر طرہ یہ کہ نبوت کا دعویٰ کردیا جس کے باعث وہ کافر و مرتد ہوکر اسلام کے دائرے سے باہر نکل گئے۔ انھیں کافر سمجھنا ہر واقف مسلمان پر لازم ہے کیونکہ جو انھیں کافر نہ سمجھے یا کافر و دجال کہنے میں توقف کرے وہ خود بھی کافر ہے۔ یہ ایسی بات ہے جس پر مسلمان کہلانے والے ہر فرقے کے علماء متفق ہیں کہ کافر کو کافر سمجھنا ضروری ہے اور جو اُسے کافر نہ سمجھے یا کافر کہنے میں توقف کرے وہ خود کافر ہے۔ اسی طرح مسلمان کو مسلمان سمجھنا بھی ضروری ہے اور جو اُسے کافر سمجھے یا کافر کہے تو وُہ خود کافر ہوجاتا ہے۔ یہ بھی ایسی بات ہے جس پر تقریباً تمام علماء متفق ہیں۔ تکفیر بند کرو یا کسی کو کافر نہ کہو کے نعرے لگانا سیاسی چال ہے جس کا دین سے کوئی واسطہ نہیں کیونکہ اسلام کے دائرے میں آنے اور اس سے نکلنے کے راستے کھلے ہوئے ہیں۔ جس طرح کوئی یہودی، عیسائی، ہندو یا سکھ آج مسلمان ہوجائے تو اُسے ضرور مسلمان کہا جائے گا اور اُس کی پچھلی غیر اسلامی زندگی کو اب نہیں دیکھا جائے گا۔ اسی طرح جو مسلمان کہلاتے ہوئے کوئی کفریہ عقیدہ مرزائے قادیان کی طرح اختیار کرلے تو اُسے ضرور کافر سمجھا اور کہا جائے گا اب اس کی پہلی زندگی، اس کے باقی عقائد و نظریات اور اسلام کے مطابق اس کے دیگر اقوال و افعال کو نہیں دیکھا جائے گا۔ جب تک وہ اپنی کفریہ بات سے توبہ نہ کرے اُسے ضرور کافر سمجھنا چاہیے اور جب تک کسی سے کوئی کفریہ بات واقع نہ ہو اس وقت تک

اُسے مسلمان سمجھنا چاہیے۔

کسی کو کافر کہو کا نعرہ لگانے والے درحقیقت اسلام اور کفر کا امتیاز اٹھانا اور ایمان کی خصوصیت کو مٹانا چاہتے ہیں حالانکہ وہ خود بھی اسلام کا دعویٰ کرنے والے ہزاروں افراد کو کافر کہتے ہیں۔ خود دیوبندی حضرات ہی کو لیجیے کہ ان کے نزدیک جو باتیں کفر ہیں اور جن کاموں کے کرنے والوں کو وہ کافر و مشرک شمار کرتے ہیں اگر اس فہرست کو سامنے رکھا جائے تو یہی معلوم ہوگا کہ ابتدائے آفرینش سے آج تک اس دُنیا میں کوئی مسلمان پیدا ہی نہیں ہوا اور نہ قیامت تک ایسا پیدا ہو سکتا ہے جس کو دیوبندی معیار کے مطابق مسلمان کہا جا سکے۔ دریں حالات یہ نعرہ بازی ایک سیاسی مغالطہ اور دھاندلی سے زیادہ کچھ نہیں۔

کافر کو کافر کہنے سے بظاہر کسی مسلمان کو کچھ ملتا نہیں ہے لیکن اس کا کفر واضح ہو جانے پر اہلِ علم کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ اس کا کفر ظاہر کریں اور مسلمانوں کو اس کے شر سے بچائیں تاکہ بے خبری میں اس کے پیچھے لگ کر وُہ اپنے ایمان کی دولت ضائع نہ کر بیٹھیں۔ اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی میں راہِ کفر اختیار کرنے والوں کو ظاہر کرنا اور مسلمانوں کو ان کے پیچھے لگنے سے روکنا صاحبانِ علم کے لیے ایسے مواقع پر ضروری ہو جاتا ہے۔ اس مضرت کے لحاظ سے کافروں کو تین طبقوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:۔

۱۔ پہلا طبقہ کُھلے کافروں، غیر مسلموں کا ہے جو اپنے آپ کو یہودی، عیسائی، ہندو اور سکھ وغیرہ کہتے ہیں۔ عام مسلمان بھی ان کے بہکانے سے اسلام کو نہیں چھوڑتے اور ان کی چکنی چُپڑی باتوں میں نہیں آتے اِلّا ماشاءَ اللہ۔

۲۔ دوسرا طبقہ ان جاہل مسلمانوں کا ہے جن میں سے کوئی فرد اپنی جہالت کے باعث ایسا عقیدہ رکھے جس کے باعث وہ اسلام کے دائرے سے نکل گیا ہو۔ اس کی مضرت بھی اتنی زیادہ نہیں کیونکہ اُس کی جہالت کے باعث دوسرے مسلمان کب اس کے پیچھے لگنا پسند کریں گے؟

۳۔ تیسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو مسلمانوں میں صاحبانِ علم و عرفاں کہلاتے اور کتنے ہی لوگ ان کی پیروی کرتے ہوں۔ اگر ایسے حضرات میں سے بدقسمتی سے کوئی مرزائے قادیان کی طرح

راہِ کفر اختیار کر لے تو اہلِ علم پر عنداللہ فرض عائد ہوتا ہے کہ پوری مستعدی سے اس کے کفریات کو واضح کر کے مسلمانوں کو اس کے پیچھے لگنے سے بچائیں۔ اگر علماء اس کی بے راہ روی کو واضح نہیں کریں گے تو گمراہ ہونے والے مسلمانوں کا وبال ایسے علماء پر بھی پڑے گا۔

امام احمد رضا خاں بریلوی نے المعتمد المستند کے اندر ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء میں ایسے ہی پانچ حضرات کی تکفیر کا شرعی فریضہ ادا کیا۔ ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء میں علمائے حرمین شریفین نے ان کے فتوے کی زبردست تصدیق کی اور تائید میں زوردار تقریظیں لکھیں۔ متحدہ ہندوستان کے ۲۶۸ علمائے کرام نے فاضل بریلوی کے مذکورہ فتوے سے اتفاق کیا۔ علمائے حرمین کی تقریظوں کے مجموعے کا نام حسام الحرمین اور علمائے ہند کی تصدیقوں کا مجموعہ الصوارم الہندیہ کے نام سے موجود ہے۔ مذکورہ پانچ حضرات میں مرزائے قادیان کے سوا باقی چار حضرات دیوبندی اکابر ہیں، یعنی مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی، مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی، مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی اور مولوی اشرف علی صاحب تھانوی۔

علمائے دیوبند یہ کہتے ہیں کہ مولوی احمد رضا خاں نے ہمارے اکابر کی جن عبارتوں کے باعث ان کی تکفیر کی ہے وہ ہرگز کفریہ نہیں ہیں بلکہ انہیں من مانے مفہوم و مطالب کا لباس پہنا کر تکفیر کی گئی ہے۔ اگر علمائے دیوبند کی یہ محض الزام تراشی اور اپنے اکابر کے کفریات پر پردہ ڈالنے کی سازش اور دھاندلی نہیں ہے تو ان عبارتوں کو آج بھی شریعتِ مطہرہ کی میزان پر تولا جا سکتا ہے۔ گزشتہ سطور میں ان کفریہ عبارتوں پر تحریری گفتگو کرنے کے متعلق ہم دو مرتبہ لکھ چکے ہیں۔ یہ راستہ انتہائی معقول ہے اور فریقین کے دلائل کی روشنی میں حق و باطل کا جو فیصلہ ہو دونوں فریق پہلے اُس کے پابند کر لیے جائیں۔

دوسرا راستہ یہ ہے کہ مجددِ مائۃ حاضرہ قدس سرہٗ نے پانچ حضرات کی تکفیر کا شرعی فریضہ ادا کیا تھا۔ ان میں سے قادیانی دجال کے بارے میں حکومتِ پاکستان نے ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو امام احمد رضا خاں بریلوی کے فتوے کی تصدیق کرتے ہوئے اُسے مرتد اور دجال قرار دے دیا۔ عبارات اکابر کا مصنف اور اکابر دیوبند کے معتقدین اگر زیادہ ہی خوش

فہمی میں مبتلا ہیں تو اپنے چاروں اکابر کا معاملہ وُہ بھی حکومت کے سپرد کر دیں تاکہ قومی اسمبلی میں فریقین کے دلائل کی روشنی میں فیصلہ ہو جائے۔ وہاں بھی مصنف صاحب کے سارے جوہر کھل سکتے ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ یہ سگِ بارگاہِ رضا بھی احقاقِ حق و ابطالِ باطل کے لیے حاضر ہو جائے گا۔ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ۔

سکتی ہے۔ اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّ الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ۔ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

گدائے در اولیاء ، محمد عبد الحکیم خان اختر

مجددی مظہری شاہجہان پوری

هدیه : ایصال ثواب

بحق

١۔ مناظر اعظم حضرت مولانا محمد عمر صاحب اچھروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

٢۔ امام المناظرین حضرت مولانا صوفی محمد اللہ دتہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

٣۔ حافظ الحدیث حضرت مولانا سید جلال الدین شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ

[illegible]

یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]